ترجمہ پیش لفظ اور حواشی

کالی داس گپتا رضا

وِمل پبلیکیشنز بمبئی

فرہنگ عارفاں

موسوم بہ

شمع عرفاں

از

لالہ کیول رام ہوشیار

ترجمہ پیش لفظ اور حواشی

کالی داس گپتا رضا

ساکار پبلشرز پرائیویٹ لمیٹڈ۔ بمبئی

اشاعتِ اوّل : ۱۹۸۸ء

ناشر

ساکار پبلشرز پرائیویٹ لمیٹڈ
۱۰۷ جولی بھون ۔ ۱،
۱۰ نیومرین لائنز۔ بمبئی ۴۰۰۰۲۰

طابع

وِمل پبلی کیشنز بمبئی
۳۰۵ چرچ گیٹ چیمبرز

تعداد ۵۰۰

قیمت ۵۰ روپے

ڈاکٹر تاراچرن رستوگی

کی نذر

" بگنجینہ شاہ گوہر فرستم "

ہوشیار کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات فراہم نہیں ہوتیں۔ گلستانِ سخن (۱۸۵۵ء) سخن الشعرا (۱۸۶۴ء) آثار الشعرائے ہنود (اردو) (۱۸۸۲ء) اور بہارِ سخن (۱۹۳۲ء) میں کچھ حال ملتا ہے۔ پہلے تین تذکرے ہوشیار کی زندگی میں لکھے گئے تھے' اس لئے زیادہ معتبر ہیں۔ چنانچہ گلستانِ سخن میں لکھا ہے:

"ہوشیار تخلص' منشی کیول رام قوم کایستھ' مرد سنجیدہ' صاحب استعداد' قصائد و غزلیات فارسی سے دیوان فراہم رکھتا ہے' گاہ گاہ ریختے کا فکر بھی کرتا ہے اُس کے کلام سے یہی دو تین شعر بہم پہنچے ؂

ملایا خاک میں دکھلا کے تو نے قدِ بالا کو
سہی کو' سرو کو' شمشاد کو' عرعر کو' طوبے کو

خرابِ چشم میگوں ہو گیا' اب ہے سلام اپنا
صُراحی کو' پیالے کو' سبو کو' خم کو' مینا کو

خط و زلف و قد و عارض نے تیرے کر لیا عاشق
سمن کو' سرو کو' سنبل کو' ریحانِ مطرا کو"

سخن الشعراء' گلستاں کے ۹ سال بعد تصنیف ہوا' اس کے مؤلف نے محض گلستاں کے ترجمے کو مختصر کر کے چھاپ دیا۔ ایک شعر بھی حذف کر دیا' چنانچہ یہ ماخذ چنداں اہم نہیں۔

آثار الشعرائے ہنود (اردو) البتہ اہمیت کا حامل ہے' کیونکہ نہ صرف یہ کہ ہوشیار نے اپنے حالات خود صاحبِ تذکرہ کو بھیجے تھے بلکہ انھوں نے چند

دوسرے شاعروں کا کلام بھی تذکرے میں درج کرنے کے لئے بھجوایا تھا
ہوشیار فارسی کے شاعر اور ادیب تھے، اس لئے انھوں نے اپنا فارسی کلام ہی
بھجوایا جو آثار الشعرائے ہنود (فارسی) میں حالاتِ زندگی کے ساتھ درج کیا گیا
مگر افسوس کہ تذکرے کا حصۂ فارسی طباعت کے مراحل سے نہ گزر سکا اور اب اس کے
مخطوطے کا بھی کوئی نشان نہیں ملتا۔ اس طرح ایک بہت ضروری شہادت پردۂ خفا
میں چلی گئی۔ چنانچہ اس تذکرے (اردو) کے اردو اشعار وہی ہیں جو گلستانِ سخن
میں درج ہیں۔ مگر ترجمے میں بہت کچھ گلستان پر اضافہ ہے ملاحظہ کیجئے۔

"ہوشیار تخلص، منشی کیول رام قوم کایستھ، سکنہ دہلی، ولد سلطان سنگھ
بخشی افواج بیگم سمرو صاحب، عربی اور فارسی کے علموں میں خوب ملکہ
رکھتے ہیں اور سیاق اسباق میں اپنے وقت کے استاد ہیں،
ان کی تیزی طبیعت کی یہ ایک عجیب مثال منشی درگا پرشاد صاحب نادرؔ
تخلص نے لکھی ہے کہ تخمیناً ۳۰ سال کا ذکر ہے کہ آپ کو ناگری پڑھنے کا
شوق اور ریاضی سیکھنے کا ذوق ہوا۔

بندہ سے ناگری برن مالا یاد کی اور ماسٹر رام چندر سے حساب
سیکھا۔ شاید ایک ہفتہ گزرا ہوگا کہ حساب کے بہت سے گُر ناگری میں
بہت خوشخط لکھ کر لائے اور کہا کہ دیکھو استاد جی یہ ہم نے لکھا
ہے۔ سبحان اللہ تیزیٔ ذہن اس کو کہتے ہیں۔ یہ صاحب ابتدا میں
سمرو کی بیگم کی سرکار میں ملازم تھے اور وہاں کا روزگار چھوڑ کر معلمی
کا پیشہ اختیار کیا اور دہلی کے بعض امیرزادوں کو اچھا پڑھایا
اور جیل خانہ کے قیدیوں کی تعلیم کے لئے مقرر ہوئے ازاں

ولادت ستمبر ۱۸۳۳ء

بعد ڈپٹی انسپکٹر مدارس ہو کر اپنا کام انجام دیتے رہے۔ جب ضعیفی کے سبب سے مصائبِ دورہ کے متحمل نہ ہو سکے تو ممالک مغربی اور شمالی کے افسرانِ سررشتۂ تعلیم نے قدردانی سے ان کو مدرسہ چاندپور کا مدرس کر دیا چنانچہ اب اسی عہدے پر مقرر ہیں۔ میں نے منشی درگا پرشاد صاحب سابق الذکر کی تحریک سے ان کو واسطے بھیجنے اپنے اشعار کے تکلیف دی تھی چنانچہ انہوں نے مہربانی کر کے اپنا بھی بہت سا فارسی کلام بھیجا اور چند شاعروں کا کلام بھی لکھا۔ ان کی علمی استعداد ان کی تصنیفات سے ثابت ہوتی ہے، چنانچہ اب تک قریب اسّی کتابوں کے تصنیف کر چکے ہیں جو ہر علم اور ہر فن مثل طب و حساب و ہندسہ و ہیئت و عروض، قافیہ، بدیع، بیان، معانی قواعد فارسی و شعر و انشا وغیرہ میں ہیں۔ اور میری رائے ناقص میں باعتبار تصانیف قصیدہ اور نثر فوایدِ علمیہ کے قوم کایستھ کے بھی باعثِ فخر و افتخار ہیں۔ پرمیشر ان کو سلامت رکھے کہ ایسے ایسے اجلہ کرام کا وجود اس جزو زمان اور اس آرام طلب قوم میں غنیمت ہے۔ ان کا فارسی کلام تو اوّل حصہ میں درج ہو چکا ہے اور اردو اشعار یہاں لکھے جاتے ہیں۔"

بہارِ سخن نے سخن الشعرا کی پیروی کی اور آثار الشعرائے ہنود (اردو) کے ترجمے کو مختصر کر کے درج کر دیا۔ لہٰذا اس کی بھی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی۔

اتفاق سے ایک مطبوعہ مگر نہایت کمیاب تذکرہ موسوم بہ غم خانۂ جانسوز،
دریافت ہو گیا[1]، جو ہوشیار کے ایک شاگرد ذکر یا رام مہجور کی تالیف ہے
یہ تذکرہ ۱۹۰۵ء میں (مارچ کے بعد کسی بھی مہینے میں) نیو امپیریل پریس
دہلی سے شائع ہوا تھا۔ اس وقت مہجور کی عمر ۷۴ سال کی تھی۔ اس طرح
سے مہجور کا سال ولادت ۱۸۳۱ء قرار دیا جا سکتا ہے۔

مہجور لکھتا ہے کہ دس سال کی عمر میں اس کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا۔
اس نے دلی میں پہلے فارسی صرف و نحو تا شرح ملا جامی، مولوی محمد جان اور
مولوی انور علی سے پڑھیں، بعد ازاں ہوشیار سے فارسی نظم و نثر کی کتابیں مثل
مینا بازار، پنج رقعہ، سہ نثر ظہوری، شبنم شاداب، مجمع الصنائع، قصائد عرفی،
دیوان مرزا محمد علی صائب وغیرہ پڑھیں۔ گویا اس نے بیشتر تعلیم ہوشیار
ہی سے پائی۔ بعد میں شاعری میں اصلاح بھی انھیں سے لی۔

مہجور لکھتا ہے کہ اس طرح ۱۲ برس سے ۲۰ برس کی عمر تک یعنی ۸ برس میں تحصیل
علم کا کام ختم ہوا۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ مہجور نے ۴ برس مولوی صاحبان
سے اور ۴ برس ہوشیار سے تعلیم حاصل کی تو اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ مہجور
نے ۱۸۴۷ء میں یعنی ۱۶ سال کی عمر میں ہوشیار کے آگے زانوے ادب تہہ
کیا۔ اسے مد نظر رکھتے ہوئے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ۱۸۴۷ء میں ہوشیار
تقریباً پچیس سال کی عمر کے رہے ہوں گے۔ یعنی ان کی ولادت ۱۸۲۲ء کے لگ
بھگ ہوگی۔ گویا وہ داغ، حالی، آزاد سے عمر میں کچھ بڑے اور غالب
سے لگ بھگ پچیس ۲۵ برس چھوٹے تھے۔ غم خانۂ جانسوز کا ترجمہ یہ ہے:

[1] تذکرہ غم خانۂ جانسوز میں غالب اور اس کے معاصرین" از ڈاکٹر حنیف نقوی، تحریر دہلی جلد ۱ شمارہ ۱، ۱۹۶۷ء

"ہشیار تخلص، منشی کیول رام، استاد این مستہام، مدتے گذشت کہ
ایں جہاں را پدرود کردہ بر روضۂ رضواں طرح اقامت انداختند
مجمع فضیلت وفکرت ومنبع درایت وفطنت۔ در جمیع علوم استعداد
کامل می داشتند، آمد سخن بایں مرتبہ بود کہ بلا فکر اشعارِ دلپذیر می گفتند
و قصائد بے نظیر بطرز عبدالواسع جبلی می نگاشتند۔ حیف است کہ
از انقلاب زماں، نہ غزلے در میاں و نہ از قصائد نشان۔ ہر چند بتلاش
آں در بدر شتافتم، لیکن با وجود تگاپوی بسیار ہیچ نیافتم و مدت
درازی گزرد کہ از فیض ذاتِ آں بزرگوار مستفید نیستم و بسبب دوری
و مہجوری از زمانِ ممتد، از افکارِ شاں چیزے یادم نماندہ۔ اما بزمانہ تعلیم
روزے باستدعائے نیاز کیش ابیاتے چند (۱۸ اشعار) کہ بطرز مثنوی
گل کشتی میر نجات فی البدیہہ فرمودہ بودند، من آنہار ا نشۂ نگاہ داشتہ
بودم دریں جریدہ بہ تحریر آں می پردازم ......"

۱۹۰۵ء کی لکھی ہوئی اس عبارت میں مہجور کہتا ہے کہ ہوشیار کے انتقال
کو ایک مدت گزر چکی ہے۔ مگر آثار الشعرائے ہنود (اردو) کی طباعت ۱۸۸۲ء
(بہار سخن ۱۸۸۵ء) تک ہوشیار زندہ تھے۔ گویا اُن کا انتقال انھیں ۲۳ سالوں
۱۸۸۲ء تا ۱۹۰۵ء میں کسی وقت ہوا۔ اس طرح اندازہ ہے کہ ہوشیار نے
۶۰۔ ۷۰ سال کی اچھی عمر پائی ہوگی۔ مگر یہ محض قیاس ہے۔

تین عینی گواہ بتاتے ہیں کہ ہوشیار ایک لائق شخص تھے۔ گلستان کی
طباعت کے وقت ہوشیار لگ بھگ ۳۳ سال کے رہے ہوں گے۔
جب بھی صاحبِ گلستان نے انھیں مردِ سنجیدہ اور "صاحب استعداد" لکھا ہے

اس وقت فارسی قصیدوں اور غزلوں کا دیوان مرتب ہو چکا تھا۔ آثار الشعرائے ہنود (اُردو) میں درج ہے کہ "فارسی کے علموں میں خوب ملکہ رکھتے ہیں اور سیاق اسباق میں اپنے وقت کے استاد ہیں"۔ ایک قصہ بھی بیان کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ۱۸۵۰ء میں بھی جبکہ ان کی عمر صرف ۲۸ برس کی تھی، بے حد ذہین تھے۔ غم نامۂ جانسوز نے انھیں "مجمع فضیلت و فکرت" اور "منبع درایت و فطنت" لکھا ہے اور کہا ہے کہ "جمیع علوم" میں "استعدادِ کامل" رکھتے تھے اور شاعری میں ان کی بدیہہ گوئی کی تعریف کی ہے۔

ہجورؔ کے علاوہ گلستانِ سخن میں ہوشیارؔ کے ایک شاگرد تلسی رام شفیقؔ کا ذکر بھی موجود ہے تین شعر بھی درج ہیں۔ آثار (اردو) نے شفیقؔ کو شفقؔ لکھا ہے اور شعر وہی تین ہیں۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ شفیقؔ کا ترجمہ خود ہوشیارؔ کا فراہم کردہ نہیں اس کے برعکس مٹھن لال شاعرؔ کا ترجمہ ہوشیارؔ نے بھیجا تھا۔ یہ ہوشیارؔ کے بھائی تھے۔ ترجمہ یہ ہے:

> "شاعرؔ تخلص، مٹھن لال، قوم کایستھ سکسینہ ساکن دہلی ولد بخشی سلطان سنگھ، علم فارسی سنسکرت، انگریزی، طبابت، علم موسیقی اور طرح طرح کی دستکاریوں میں شہرت رکھتے ہیں۔ ایک ساز جو سارنگی بجانے کے قانون میں ہے، اِن کے مخترعات سے ہے، اور انھوں نے ایک کتاب نہایت ضخیم اردو فارسی اور ہندی لغات میں 'خزینۂ ہندی' نام بنائی ہے یہ تین شعر جو ان کے بھائی منشی کیول رام صاحب ہوشیارؔ نے بھیجے تھے۔ زیبِ تذکرہ کئے ہیں۔

ہم کو شکوہ کچھ نہیں ہے یار اور اغیار کا
ہے لکھا قسمت میں بار دل تفرقہ دلدار کا
نبض تجھ بیمار کی زنہار مت چھوا اے طبیب
سب دوا بیمار کی پرہیز ہے بیمار کا
گر قتل تجھکو ظالم منظور ہے ہمارا
تو دل بھی زندگی سے رنجور ہے ہمارا،

غم نامۂ جانسوز (مطبوعہ ۱۹۰۵ء) میں ہجورؔ نے لکھا ہے کہ سوائے اُس فارسی مثنوی کے جس کے ۸۵ شعر ہیں اور جو میر نجاتؔ کی مثنوی گل کشتی کی طرز پر کہے گئے ہیں، ہوشیارؔ کی غزلوں اور قصیدوں کا ایک شعر بھی باوجود تلاش بسیار دستیاب نہ ہوسکا۔ آثار (اردو، ۱۸۸۲ء) میں درج ہے کہ "انھوں نے مہربانی کر کے اپنا بہت سا فارسی کلام بھیجا ....." (اب یہ کلام تذکرے کے ساتھ ہی ناپید ہوچکا ہے) مگر تلامذۂ غالب طبع اوّل (ص ۱۳۱) پر درج ہے کہ "دیوان مطبع نولکشور لکھنو سے ۱۸۷۷ء میں شائع ہوا"۔

نہ جانے یہ اطلاع صاحب تلامذۂ غالب کو کہاں سے ملی۔ ان کے دیے ہوئے ماخذوں میں تو نہیں ہے۔ کہیں یہ بھی لکھا نہیں دیکھا کہ ہوشیار غالبؔ کے شاگرد تھے۔ غالباً غالبؔ کے ایک خط بنام ہوشیارؔ (جس کا متن آگے درج کیا جارہا ہے) سے یہ غلط فہمی پیدا ہوئی۔ بہرحال مالک رام صاحب نے ہوشیارؔ کا ترجمہ بطور شاگرد غالب دوسرے ایڈیشن سے حذف کردیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے ہوشیارؔ کسی کے باقاعدہ شاگرد نہ تھے۔

خط بنام ہوشیار یہ ہے :

"غالب خاکسار کہتا ہے کہ شعرائے ایران کلہم اجمعین مسلم الثبوت اور ان کا کلام سند ہے۔ سخنورانِ ہند میں امیر خسرو دہلوی بھی ایسے ہی ہیں۔ اہلِ ایران میں رودکی و فردوسی سے لے کر جامی تک اور جامی سے صائب و کلیم تک کسی نے لغت کی کوئی کتاب لکھی ہو، کوئی فرہنگ جمع کی ہو، تو ہمیں دکھاؤ، اس کو اگر میں نہ مانوں اور سند نہ جانوں تو میں گنہگار۔ جتنی فرہنگیں اب موجود ہیں، نام ان کے کہاں تک لوں۔ مشہور و غیر مشہور کچھ کم سو رسالے ہوں گے، ان سب رسالوں کے جامع ہندی ہیں کوئی اہلِ زبان نہیں ہے۔ اشعار اساتذہ ایران کو ماخذ ٹھہرا کر جو لغات ان کی نظم میں دیکھے، بہ مناسبت مقام ان لغات کے معنی لکھ دیئے۔ استنباطِ معنی کا مدار قیاس پر ہے۔ میں نہیں کہتا کہ قیاس ان کا سراسر غلط، میرا قول یہ ہے کہ کم ترصحیح اور بیشتر غلط ہے۔

ان سب فرہنگ لکھنے والوں میں یہ دکن کا آدمی یعنی جامع برہان قاطع، احمق اور غلط فہم اور مفلوج الذہن ہے۔ مگر قسمت کا اچھا ہے۔ مسلمان اس کے قول کو آیت اور حدیث جانتے ہیں۔ اور ہندو اس کے بیان کو مطالب مندرجۂ بید کے برابر جانتے ہیں۔

گیا اور گیاہ بہ کاف فارسی مکسور سبز گھانس کو کہتے ہیں گیا بہ کاف فارسی مکسور یا مفتوح کوئی لغت فارسی نہیں ہے

ہرگز نہیں ہے۔ مولوی روم اور حکیم سنائی کے ہات کے لکھے ہوئے شعر کس نے دیکھے ہیں کہ انھوں نے اپنے ہاتھ سے کاف پر دو مرکز اور تختہ بنایا ہو۔ فرہنگ نویسوں کی رائے کی تباہی اور قیاس کی غلطی ہے جو ایسا سمجھتے ہیں۔ نہ گیا بمعنی وہ ہے، نہ گیا بمعنی مقدم وہ ہے نہ گیا بہ معنی پہلوان ہے۔ نہ کارگیا' کوئی لفظ ہے نہ کوئی لغت ہے، 'کے' کاف عربی مفتوح بر وزن مے ایک لغتِ فارسی ہے۔ ذو معنیین۔ یعنی دو معنی دیتا ہے۔ ایک تو 'کب' یعنی 'کس وقت' اور دوسرے معنی اس کے ہیں حاکم اور مالک کے۔ الف جو اس کے آگے آتا ہے۔ وہ کثرت کے معنی دیتا ہے جیسے 'خوشا' بہت خوش۔ 'بدا' بہت بد 'کیا' بڑا حاکم: شعر:

عشق آں بگزیں کہ جملہ اولیا
یافتند از عشق او کارِ کیا

یعنی بہ سببِ عشق کار بزرگ یافتند۔ شعر:

سر فرو بردیم تا بر سر وراں سرور شدیم
چاکری کردیم تا کار کیائی یافتیم

یہاں بھی وہ کار بزرگ یعنی بڑا کام۔ پس یائے تحتانی اگر مجہول ہے تو تعظیمی ہے اگر معروف ہے تو مصدری 'ی' ہے یعنی بزرگی کا کام حکومت کا کام۔ وہ 'کیا' مضاف اور مضاف الیہ مقلوب ہے۔ یعنی کیا ہے وہ اور حاکم وہ کار، کیا۔ مثلاً یعنی

کیا ہے کار' ، مالک کار' جہاں ماقبل اس کے رائے کمسور لائیں گے وہاں 'کار' موصوف اور 'کیا' صفت ہے ۔ نہایت تحقیق واصل حقیقت یہ ہے فقیر نے جہاں 'کیا' کے لفظ پر خطِ مستطیل کھینچا ہے' وہ علامت فتحہ ہے ۔ دوسرا ہرگز نہیں جو کافِ پارسی سمجھا جائے ۔

داد کا طالب' داد خواہ' غالب
(تقریباً ۱۸۶۵ء)

رسالہ 'شمع عرفان' ہوشیار کی تقریباً ۸۰ تصانیف میں سے ایک ہے اور ۲۸ صفحوں پر محیط ہے ۔ سرورق کی عبارت یہ ہے ۔

المنت للہ کہ دریں ایام فیض التیام نسخۂ نادر عنوان

شمع عرفان

تالیف

لالہ کیول رام ہوشیار در فخر المطابع باہتمام نیاز احمد نورِ طبع یافت ۔

خاتمے کی عبارت یہ ہے :

الحمد للہ رب العالمین کہ ایں کتاب نادرہ عنوان مسمی بہ

شمع عرفان تالیف شاعر بے بدل و فاضل عدیم المثل!
منشی کیول رام المتخلص ہوشیار از دستِ حقیر فقیر
جمیل الدین صورتِ اختتام

پذیرفت

تاریخ طبع درج نہیں مگر دیباچے کے آخر (ص ۳) میں رسالے کے ختم ہونے کی تاریخ ذیل کے قطعے سے برآمد ہوتی ہے:

چوں باتمام ایں رسالہ رسید
شاد گشتم زِ دفع نیکویش!
در گلستانِ عشق می جُستم
سال و تاریخ ختم دلجویش!
شد ندا سے طرب مرا حاصل
از گلِ باغِ معرفت بویش

یعنی "گل باغ معرفت" سے اس کی "بو" (۸) روے طرب (۹) بڑھا کر حاصل ہوئی۔ کل ملا کر ۱۸۶۰ یعنی ۱۸۶۰ عیسوی۔

دیباچے کا مفہوم یہ ہے کہ بیشتر زبان دان اور سخن شناس "دواوین اساتذہ کرام عرفان نظام و کلمات سخنوران حقیقت مقام" میں "شاہد و گل و ساغر و گل و خط و لب و دہان و زلف و کاکل و میان و ساقی و صہبائے و جام و شب و روز و صبح و شام و کرشمہ و غمزہ و ابرو و دانۂ خال و دام و گیسو و قلندر و رند و سالک کا ذکر پاتے ہیں۔ اگر نعوذ باللہ

وہ ان کے ظاہرہ معنی مراد لیں تو اس سے فاسق خیال پیدا ہو سکتے ہیں۔
لہٰذا اس رسالے میں تا مقدور تحقیق کر کے، عام فائدے کے لئے ایسے الفاظ و کلمات کے عارفانہ معنی دیے گئے ہیں۔ جہاں ذاتی تحقیق ناکافی ہوئی وہاں دیوانِ حافظ، کشف اللغات، مرآۃ المعانی، برہان قاطع اور شرح گلشن راز میں تلاش کر لیا گیا ہے۔

رسالہ "شمع عرفان" کا متن فارسی میں ہے اور حواشی کے اشعار اردو میں ہیں۔ کُل ۲۳۱ الفاظ کی تشریح کی گئی ہے۔ میں نے متن مع حواشی کو تین حصوں میں بانٹ دیا ہے۔

(الف) متن کی فارسی عبارت کا اردو میں مفہوم۔

(ب) **حاشیہ** ۔ یعنی رسالے کے حاشیے میں چھپے ہوئے مختلف اساتذہ کے اشعار جنھیں خود ہوشیار نے درج کیا ہے۔

(ج) سب سے نیچے لمبی لکیر کے بعد مزید حاشیے جو لفظ کی وضاحت میں معاون ہو سکتے ہیں۔ یہ میں نے اضافہ کیے ہیں۔

÷ ÷

لیجئے ______________________

اب ______________________

مندرجہ بالا کی روشنی میں آنے والے صفحات پر رسالے کا لطف اٹھایئے۔

۱۔ آبِ حرام : حقیقت سے کنایہ کرتے ہیں۔
حافظ ؔ

زہم کر سرنہ نبرد روز بازخواست
نانِ حلالِ شیخ ز آبِ حرام ما

"نان حلال شیخ" سے مراد ہے مجاز و ظاہر پرستی اور "آبِ حرام ما" سے حقیقت اور باطنیت ۔ مطلب یہ کہ ڈرتا ہوں کہ روزِ جزا نانِ حلال شیخ، ہمارے "آبِ حرام" پر غلبہ نہ کر لے یعنی مجاز حقیقت پر غالب نہ آجائے۔

اردو میں یہ ترکیب قلیل استعمال ہے اور شراب کے معنی میں آتا ہے جیسے ۔

کیوں ان مستیاں میں تمہیں ہے تو تجرد
آب زر و گہر ہے کہ آبِ حرام ہے

۲۔ ابرو : وہ پردہ جو طالب اور مطلوب کے درمیان حائل ہے طالب بمنزلہ پیشانی ہے اور مطلوب بمنزلہ رُخ ۔ اگر ابرو درمیان نہ ہو تو پیشانی اور رُخ یعنی طالب و مطلوب ایک ہو جائیں ۔ اور چونکہ ابرو بمعنی حجاب لیتے ہیں، اس سے دُنیا بھی عبارت ہے ۔ غنیؔ

ہزاراں معنی باریک باشد بیت ابرو را
بغیر از موشگافاں کس نہ فہمد معنی اورا

حاشیہ

کافی ہے مرے قتل کو اک جنبشِ ابرو
کھینچی ہے عبث مجھ پہ یہ تلوار دو دستی
(انیسؔ)

دل خمِ ابرو کو دیتے ہیں تو کس کس پیچ سے
دام میں لینا ہے اس کاکل کا اک اک بل ہمیں
(نظیرؔ)

اُردو میں ابرو کے تعلق سے بیسیوں شعر ہیں مگر شاید ہی کوئی غنیؔ کے شعر کو پہنچتا ہے مگر وزیرؔ کا یہ شعر ؎

سر آنکھوں سے کریں سجدہ اگر ابرو ہلائے وہ
جُدا کچھ کفر اور اسلام سے مذہب ہمارا ہے

ابرو کے لغوی معنی بھوں کے ہیں۔ اس لفظ کو لے کر غالبؔ کا یہ شعر مشہور ہے ؎

مسجد کے زیرِ سایہ خرابات چاہیئے
بھوں پاس آنکھ قبلۂ حاجات چاہیئے

قبلۂ حاجات سے شیخ، بھوں سے محرابِ مسجد اور آنکھ سے میکدہ مراد ہے۔ شیخ سے کہا ہے کہ مسجد کے قریب میکدہ (خرابات) ہونا چاہیئے۔ جیسے ابرو کے پاس آنکھ یعنی رندی اور پارسائی مل کر رہیں تو اچھا ہے۔

۳۔ آدمی : اس سے مُراد صاحبِ عرفان ہے۔ جامی ؔ

آدمی آن است کہ بینے د درست
محوِ گماں بردہ بیقینے دوست

در بُود ایں پیکرِ گل آدمی
زد درِ و دیوار چہ داد دمی

حاشیہ

(نظیر)

ابدال و غوث و قطب ولی آدمی ہوئے
مُنکر بھی آدمی ہوئے اور کفر بھی بھرے
کیا کیا کرشمے کشف و کرامات کے لیے
جیسے کہ اپنے زہد و ریاضت کے زور سے
خالق سے جا ملا ہے سو وہ بھی ہے آدمی

آدمی کے لغوی معنی' آدم سے نسبت رکھنے والے کے ہیں۔

۴۔ اسمِ اعظم : ہُو سے مُراد ہے کہ سب سے پہلے عالم میں اسی نے ظہور کیا اور ذاتِ مطلق کا نام بھی ہے۔ کہتے ہیں کہ ہُو تمام ناموں کی اصل ہے۔

ھو کو قاضی حمید الدین ناگوری نے اسم اعظم قرار دیا ہے۔ ورنہ اس نام کی تعیین میں بہت سا اختلاف ہے۔

قاضی عبدالرزاق کاشی ؔ ؎

اسم اعظم جامع اسما بود
صورتِ او معنی اشیا بود
اسمِ دریاے تعیّن موج او
ایں کسے داند کہ او ازما بود

بہر حال قرآن میں اسمِ اعظم ہے لیکن یقین کے ساتھ کسی کو نہیں کہا جا سکتا۔

آتش ؎

دہن اس روے کتابی میں ہے پر نا پیدا!
اسمِ اعظم وہی قرآں میں نہاں ہے کہ جو تھا

۵۔ **امروز** : دارِ دنیا سے عبارت ہے۔ اثیر ؎

برافگن پردہ از رخ بے محابا
یکے کن وعدۂ امروز و فردا

اردو میں امروز فردا کو ملا کر حیلہ حوالہ کرنے کے معنی میں بولتے ہیں۔

مصحفی ؎

عاشقوں کو دیکھ لینے کی تمنا ہی رہی
روزِ محشر بھی وہاں امروز فردا ہی رہی

۶۔ امشب : موجودہ زندگی سے عبارت ہے ۔ حافظ؎

اے صبا امشبم مدد فرما
کہ سحر گہ شگفتنم ہوس است

صبا سے مُراد مرشد اور سحر گہ کنایہ ہے وقت سے ۔

لغوی معنی 'آج کی رات'

۷۔ آئینہ : دل سے کنایہ ہے ۔

حاشیہ : بقاؔ؎

دیکھ آئینہ جو کہتا ہے کہ اللہ رے میں
اس کا میں دیکھنے والا ہوں' بقاؔ واہ رے میں

چند شعراور؎

(محسنؔ)؎

فرحت سے ہوا یہ قلب بیتاب
آئینہ دکھا رہا تھا سیماب

(آرزوؔ)

آئینہ دل کا مکدر ہے کہ صاف
دیکھ لے چہرے کی اپنے جھائیاں

(مشہور) ؎

دل میں جب آئی کدورت وہ صفائی پھر کہاں
آئنے میں جب غبار آیا' وہ اندھا ہو گیا

۸۔ باد: کنایہ ہے رابطہ محبت سے جو طالب و مطلوب کے درمیان دوستی کو بڑھاوا دینے کا باعث ہوتا ہے۔ اسے 'بادِ بہار' بھی کہتے ہیں اور مرشد سے بھی کنایہ کرتے ہیں۔ حافظؔ ؎

اگرچہ بادہ فرح بخش و باد گل بیزاست
ببانگ چنگ مخور می کہ محتسب تیزاست

اگرچہ بادہ فرح بخش ہے۔ یعنی محبت و عشق کا ذوق ظاہر ہے اور بادِ گل بیز یعنی مرشد بیان معارف پر آمادہ ہے۔ تو ان کے باوجود جامِ محبت کو چھپ کر پی' سرِعام پینے کی کوشش نہ کر کیونکہ شرع تند و تیز اور اس طرح پینے والے اسرارِ معرفت کو ایذا دینے کا باعث ہوتے ہیں۔

لغوی معنی ہوا
(دچکبست) ؎

پَر لگے تہذیب کو کشتیِ نو ایجاد سے
خدمتِ آبِ رواں لیتا ہے انساں باد سے

۹۔ بادِ صبا:
نفحات روحانی (خدائی لپٹوں) کی طرف اشارہ ہے

(باقی معانی صبا کے تحت دیکھئے)

لغوی معنی پُروا ہوا' بادِ بریں۔ وہ خوشگوار ہوا جو شمال، مشرق سے صبح کے وقت چلتی ہے۔ اسے بادِ سحر بھی بولتے ہیں۔

رشید ؎

یہ چال سبک بادِ سحر کو نہیں معلوم
ہر رگ میں در آیا گلِ تر کو نہیں معلوم

۱۰۔ بادہ :

محبت اور اسرار محبت سے کنایہ کرتے ہیں۔ بے خودی اور فنا فی اللہ سے بھی عبارت ہے۔

سعدی ؎ ساقی بدہ آں کوزۂ یاقوت رواں را
یاقوت چہ باشد بدآں قوتِ رواں را

نظامی ؎

مرا ساقی از وعدۂ ایزدیست!
صبوح از خرابی می از بے خودیست

لغوی معنی شراب۔ بکثرت استعمال ہوتا ہے۔

۱۱۔ بادِ یمانی :

سانسوں سے کنایہ ہے جو خدا کی امانت ہیں۔

حافظ ؎

سنگ و گل را کند از یمنِ نظر لعل و عقیق
ہر کہ قدرِ نفسِ بادِ یمانی دارد

مطلب یہ ہے کہ جو دم بھر کے لئے یادِ حق سے غافل نہیں رہتا ہے وہ
ادنیٰ سے اعلیٰ ہو سکتا ہے۔

لغوی معنی ہوا منسوب بملکِ یمن

۱۲۔ باطل :

غیر خُدا، کو کہتے ہیں ؎

سوے الحق عدم بود بہ یقیں
ترک باطل بگو و حق را بیں

غلط، حق کی ضد ۔ جلیل ؎

تمہارے حُسن کے آگے یہ کامل نہ ٹھہرے گا
قسم حق کی کہ حق کے سامنے باطل نہ ٹھہرے گا

۱۳۔ باغ :

مرادف گلستان ہے جس کا بیان آگے آئے گا۔

لغوی معنی کے علاوہ مجازاً اور بھی کئی معنی میں آتا ہے۔ جیسے آل اولاد
اور خاندان کے لئے۔

(دبیر) جب کربلا میں دفترِ ایماں اُلٹ گیا
یعنی جنابِ فاطمہؑ کا باغ کٹ گیا

اشعار کے لیے (رشکؔ) سے

منظور ہے تعریف مجھے لالہ رخوں کی
اے چرخِ کہن آج لگاتا ہوں نیا باغ

رونق کے لیے ۔

ہائے وہ پھول سے رخسار، وہ قد بوٹا سا
جس جگہ بیٹھتے ہیں باغ لگا دیتے ہیں

۱۴۔ باغباں :

<u>سالک سے کنایہ کرتے ہیں ۔</u>

لغوی معنی مالی، باغ کی دیکھ بھال کرنے والا ۔
ذیل کے شعروں میں لغوی اور مجازی دونوں معنی موجود ہیں ۔
چکبستؔ سے

باغباں نے یہ انوکھا ستم ایجاد کیا
آشیاں پھونک کے بانی کو بہت یاد کیا

(ایضاً)

باغباں دل سے وطن کو یہ دعا دیتا ہے
میں رہوں یا نہ رہوں یہ چمن آباد رہے

(ایضاً)

اپنا مقام شاخِ بریدہ ہے باغ میں !
گل ہیں مگر ستائے ہوئے باغباں کے ہیں

۱۵۔ بال و پر :

دنیا کے مال و جاہ سے کنایہ ہے ۔ حافظ

بیال و پر مرو از رہ کہ تیر پرتابی
ہوا گرفت زمانے ولے بخاک نشست

حاشیہ

(سودا) ؎

بال و پر ہونے نہ پائے تھے نمودار ہنوز
تب سے ہم بند قفس میں ہیں گرفتار ہنوز

لغوی معنی پرندے کے بازو اور پر (مجازاً ہمت)

(ظریف) بال و پر ٹوٹ چکے قوتِ پرواز نہیں
حال دل کون سنے جب کوئی دم ساز نہیں

۱۶۔ بُت :

مظہر ہستی مطلق سے عبارت ہے کہ حق یہی ہے ۔
ذوق کا یہ شعر اس کی وضاحت کرتا ہے ؎

اس بت کدے میں کون ہے کافر ترے سوا!
تو بت پرست بت بھی ہے اور بت تراش بھی

۱۷۔ بُستان :

مرادفِ گلستان، اس کا حال آگے آئے گا۔

بستان، بوستان (فارسی) کا معرب ہے۔ بمعنی باغ۔

(آتش) سے

پھونک آشیاں ہمارا اے برق آتشِ گل
رہنے کے اپنے قابل یہ بوستاں نہ ٹھہرا

عام طور پر گلستاں، بوستاں کو ہم معانی مانا جاتا ہے۔

(حکمت) سے

سٹی ہیں، گل جو اور کسی بوستاں کے ہیں
کانٹے عزیز، گلشنِ ہندوستاں کے ہیں

ان میں فرق یہ ہے کہ بوستان، (پھولوں کی) خوشبو کی جگہ کو کہتے ہیں اور گلستاں، پھولوں کی جگہ کو۔

۱۸۔ بقا :

فنائے خودی خودؔ سے عبارت ہے۔

لغوی معنی زندگی (فنا کی ضد)

(انیسؔ)

خود نوید زندگی لائی قضا میرے لئے
شمع کشتہ ہوں فنا میں ہے بقا میرے لئے

۱۹۔ بلبل

'واجب الوجود' سے کنایہ اور 'عاشق حقیقی و مرشد حقیقی' سے عبارت ہے۔

(میرؔ) سے

جس چمن زار کا ہے تو گلِ تر
بلبل اس گلستاں کے ہم بھی ہیں

(انیسؔ) سے

شعلے صدا میں پنکھڑیاں جیسے پھول میں
بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسول میں

۲۰۔ بوسہ:

'استعداد قبول' سے کنایہ ہے اور 'گرفتن ذوق برد جہ شوق' سے بھی عبارت ہے۔ کشف اللغات میں ہے کہ روح کا جسم کے ذریعہ حظ اٹھانے اور لذت حاصل کرنے کا نام بوسہ ہے۔

حاشیہ

نظیرؔ کہتا ہے

سبھوں کو بوسہ دیا ہنس کے اور ہمیں گالی
ہزار شکر بھلا، اس قدر تو پیار ہوا

لغوی معنی چُوما، پیار

(جلیلؔ) ؎

لُٹاتے ہیں وہ دولت حسن کی باور نہیں آتا !
ہمیں تو ایک بوسہ بھی بڑی مشکل سے ملتا ہے

(غالبؔ) ؎

کیا خوب! تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا؟
بس چُپ رہو ہمارے بھی منہ میں زبان ہے!

۲۱۔ بوسیدن :

عشق و محبت کے جلوے کو حاصل کرنا۔ اس لیے جذبۂ عشق و محبت سے اس کا کنایہ کرتے ہیں۔

بمعنی چوُمنا اور پرانا ہونا مگر یہاں چومنا ہی مُراد ہے۔

۲۲۔ بوئے نافہ :

ملک الموت کے بلاوے کے اشتیاق سے کنایہ۔

حاشیہ

(تقیرؔ) ؎

نہیں ہوا میں یہ بُو نافۂ ختن کی سی
لپٹ ہے یہ تو کسی زلفِ پُرشکن کی سی

ہرن کی ناف کی مشک کو کہتے ہیں۔ اسے 'مشکِ نافہ' نافۂ تتار، نافۂ ختن کی ترکیب سے بھی بولتے ہیں۔

وزیر ؎

آئے جو صبا کوچۂ گیسوئے چمن میں!
بن جائیں ابھی نافۂ آہوئے ختن پھول

(انیس) کھولے ہوئے تھا آہوئے شب نافۂ تتار

قدر ؎

نشاں ہے یہ ابروئے حسیں کا' اثر ہے یہ زلفِ عنبریں کا
کہ داغ اپنے دلِ حزیں کا ہے مشکِ نافہ غزالِ چیں کا

۲۳۔ پارسا:

جو گناہ اور دنائم سے پاک ہو۔

انھیں معنی میں مستعمل ہے۔ کبھی کبھی طنزیہ انداز میں بھی بولتے ہیں۔ جیسے ؎

ہم جلتے ہیں اے دل! تم جیسے پارسا ہو

۲۴۔ پرہیزگاری:

اس کا ترجمہ 'صلاح' ہے جو آگے بیان کیا جائے گا۔

احتیاط کے ساتھ بسر کرنے اور گناہ سے بچنے کو بولتے ہیں۔

داغ، تو رہے تو بہ کہیئے بادہ خواری ان دنوں
موسم گل ہے کہاں پرہیزگاری ان دنوں

۲۵۔ پری وش :

صفاتی ناموں میں سے ہے کہ اس سے قہر و غضب ظاہر ہوتا ہے اس
کی ضد 'فرشتہ وش' ہے۔

پری ایک خیالی حسین زنانی مخلوق جس کے پر فرض کر لیے گئے ہیں۔ حسین'
خوبصورت' معشوق کے لیے بھی آتا ہے۔ 'پری وش' یعنی پری کی طرح کا سا

انیس

زیبا تھا دم جنگ پری وش اسے کہنا

۲۶۔ پیالہ :

جام کا مرادف اس کا حال آگے آئے گا۔

اردو میں پیالہ جام کے علاوہ بھی کئی معنوں میں آتا ہے۔ کئی محاورے بھی اس
سے وابستہ ہیں جیسے پیالہ اٹھانا، بجنا، بہنا، بلانا، پینا، چڑھانا،
چھلک جانا، لبریز ہونا، ہونا وغیرہ آخرالذکر کے لئے صبا کا یہ شعر ہے

دلایا گیا فاتحہ جام مے پر
ہوا میکدے میں پیالہ ہمارا

۲۷۔ پیام :

پیش آنے والی غیبی باتوں میں سے کوئی بات جو لاریب سالکوں کے دل تک پہنچتی ہے۔

لغوی معنی سندیسہ۔ کسی کا کسی کے ذریعہ سے کسی کو کچھ کہلوانا۔ خوشی اور غم دونوں موقعوں پر اس کا صرف ہوتا ہے۔ یعنی شادی کا بھی پیام آتا ہے اور موت کا بھی۔

۲۸۔ پیراہن :

ایمان وعرفان سے کنایہ ہے۔ حافظ ؒ

پیراہنے کہ آید از بوئے یوسفم
ترسم برادرانِ غیورش قبا کنند

بوئے یوسف سے مراد بوئے معشوق ہے، یعنی ڈرتا ہوں کہ برادران غیور یعنی شیطان لوگ کہیں ایمان وعرفان کو جس سے مجھے بوئے معشوق آتی ہے، تباہ نہ کریں۔

حاشیہ : (نظیر)

گلُوں کے رنگ کو کیا دیکھتے ہوائے خوباں
یہ نکہتیں ہیں تمھارے ہی پیرہن کی سی

جسم پر پہننے کا لباس۔

(انیسؔ)

پیراہنِ صد چاک کفن ہوئے گا اس کا

۲۹۔ پیرِ خرابات:

سالک اور مرشدِ کامل مراد ہے۔

پیر کے ایک معنی رہبر اور دینی پیشوا کے بھی ہیں جیسے

پیر اپنا وسیلہ جب ٹھیرا   نفع دین کے لئے سبب ٹھیرا

اسی طرح شیخ عبدالقادر جیلانی کو "پیرانِ پیر" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

"پیر خرابات" کے لغوی معنی شراب خانہ کے مالک کے ہیں۔ (سوداؔ)

میں وہ ہوں جس نے پلایا ہے پیالہ سب کو

رند پھر کیوں نہ کہیں پیر خرابات مجھے

۳۰۔ پیرِ مغاں:

مرشدِ کامل سے کنایہ ہے۔

حاشیہ: (نظیرؔ)

لے گیا شوق جو واں مجھ کو اٹھا دوش بدوش

جاتے ہی در پہ گرا پیر مغاں کے مدہوش

یعنی پیرِ خرابات۔ (تسلیم)

وہ رندِ صاحبِ شوکت ہوں جب آتے ہوئے دیکھا
درِ مے خانہ تک لینے مجھے پیرِ مغاں آیا

۳۱۔ پیک:

جبرئیل سے کنایہ ہے۔

قاصد، ہرکارہ، پیادہ وغیرہ۔ پرانے زمانے میں فوج میں مخبری کرنے والوں کو بھی پیک کہتے تھے۔

(دبیر) فی الفور پیک فتح کا پیک کہہ گیا
منہ کھول کر نیام تعجب سے رہ گیا

۳۲۔ تجلّی:

روشنائی ہے

دل چو از اوصافِ نفسانی برست
بر سرِ تختِ تجلّی بر نشست جیست انوارِ تجلّی زانشاں
آنچہ در سرِ تو آید بے گماں
گہہ کشاید گنجِ افعال صفات
گہہ نماید پرتوِ انوارِ ذات

حاشیہ: (سودا)

مقدور نہیں اس کی تجلی کے بیاں کا
جوں شمع سراپا ہو اگر صرف زباں کا

(تجلی بمعنی) رُوشنائی (بضمہ اوّل و واوِ معروف)

(ضمیر) ؎

جس گھڑی جنگ آزمائی ہو
مشعلِ مہ کی روشنائی ہو

رَوشنائی (بفتحہ اوّل و واوِ مجہول) کے معنی لکھنے کی سیاہی کے ہیں

۳۳۔ تجلی شہودی:

خدا کا ذاتی نور و ظہور۔

۳۴۔ ترسا:

مرشدِ کامل کو کہتے ہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ترسا صاحبِ تجرید سے عبارت ہے۔

لغوی معنی گبر، آتش پرست ؎

غمِ ہجراں کو ایسا ترسا، نہ کوئی ترسا بھی ایسا ترسا
کہ جوشِ غم سے ہر ایک دریا زمیں پہ سر کو پٹک رہا ہے

۳۵۔ ترسا بچہ :

مردِ روحانی سے عبارت ہے جو بُری صفتوں سے بری ہوتا ہے
حافظ کہتے ہیں ؎

دلم از صومعہ و صحبتِ زنداں بگرفت
یارِ ترسا بچہ و خانۂ خمّار کجاست

۳۶۔ تقویٰ :

'صلاح' کا مرادف ہے جس کا بیان آگے آئے گا۔

بمعنی پرہیزگاری، خُدا کا خوف کرنا۔

(سودا) شیخ اتنا تو بتاؤ نہ تم اپنا تقویٰ !
عوض مے ہے گرو جبّہ و دستار ہنوز

۳۷۔ توحید :

دل کی تخلیص سے کنایہ ہے۔

خدا کی وحدت کا قائل ہونا۔

(امیر) منکر جو ہے نبی کا وہ منکر خُدا کا ہے
توحید ہے خدا کی نبوت رسول کی

۳۸- جام:

پیالہ اور ساغر کا مرادف۔ کاس و کاسہ' کا ترجمہ۔ اپنے باطن' سالک کے دل' محبوبِ مجازی' مرشدِ کامل' اور پیغامِ الٰہی' جو ملک الموت پہنچاتا ہے' سے کنایہ کرتے ہیں۔ غنیؔ ؎

ساقی بجام ریز مے بد رنگاں را
ماہِ تمام ساز یک شب ہلال را

یعنی اے اللہ یا اے مرشد! مرے وجود میں مے محبت انڈیل' میں دنیا میں ناقص ہلال کی طرح ہوں' مجھے ماہِ کامل بنا دے۔ شب سے مراد دنیا ہے۔ حافظؔ کہتا ہے۔ ؎

ما در پیالہ عکسِ رخِ یار دیدہ ایم
اے بے خبر ز لذتِ شربِ مُدام ما

یعنی ہم نے محبوب مجازی یا مرشد میں' انوارِ الٰہی کا عکس مشاہدہ کیا ہے۔ اے بے خبر! آتا کہ تو بھی لذتِ عشق سے واقف ہو جائے ؎

ساغرِ مے بر کفم نہ' تا ز سر
برکشم ایں دلقِ ازرق فام را

یعنی اے مرشد! ساغرِ عشق و محبت میری ہتھیلی پر رکھ۔ یعنی میرے دل کو محبت کی شراب سے صفائی دے تا کہ وہ مکاشفات و مشاہدات کے تابع ہو سکے اور میں نیلی فام گدڑی یعنی وجود ہستی مستعار کو ترک کر کے نیستی کی قبا میں سما جاؤں کہ ابدی ہستی کا موجب یہی راہ ہے۔

یہاں ساغر' پیغامِ موت سے کنایہ ہے۔

حاشیہ:

(سوداؔ)

نہ غرض کفر سے رکھتے ہیں نہ اسلام سے کام
مدعا ساقی سے اپنے ہمیں اور جام سے کام

جام بمعنی پیغام موت اردو میں مستعمل نہیں مگر "جام لبریز ہونا" میں اس کا مرادف موجود ہے۔ جیسے ؎

(آتشؔ)

دے سے تلوار اپنی بجوائی ہے اس سفاک نے
دیکھیے لبریز کس بے کس کا جام ہوا

۳۹۔ جام جم:

دل مرشد سے کنایت ہے۔

(حیدرؔ)

جدا از لعل میگوں خوش نیاید مے پرستاں را
اگر نوشند آب زندگی از جام جم باشم

لغوی معنی ـ وہ پیالہ جو جمشید بادشاہ کی خواہش پر حکماء نے بنایا تھا۔ کہتے ہیں اس پیالے سے مستقبل کا حال معلوم ہو جاتا تھا۔ اس پیالے کو بھی کہتے ہیں جو جمشید کی بادہ کشی کے لئے پر تکلف طریقے سے تیار کیا گیا تھا۔

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا!
جام جم سے تو مرا جام سفال اچھا ہے (غالب)

۴۰۔ جاناں :

انسانِ کامل سے عبارت ہے۔

حاشیہ : (نظیر)

زاہدو روضۂ رضوان سے کہو عشق اللہ
عاشقو کوچۂ جاناں سے کہو عشق اللہ

محبوب کو کہتے ہیں ۔

جلوۂ عام کے دھوکے میں چلے آئے تھے
بندہ ہوگا درِ جاناں یہ خبر کس کو تھی

۴۱۔ جرس :

ایک بڑا گھنٹہ جو اونٹ کے گلے میں باندھ دیتے ہیں۔ ملک الموت سے کنایہ ہے۔ (حافظ)

مرا در منزلِ جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم
جرس فریاد می دارد کہ بر بندید محمل ہا

حاشیہ: (سودا)

سودا جو کبھی گوش سے ہمت کے سنے تو
مضمون یہی ہے جرس دل کی فغاں کا
ہستی سے عدم تک نفس چند کی ہے راہ
دنیا سے گذرنا سفر ایسا ہے کہاں کا

عموماً ایسے گھنٹے کو کہتے ہیں جو قافلوں کے کوچ کے وقت مسافروں کو خبردار کرنے کی غرض سے بجایا جاتا تھا۔

۴۲- جور:

گھونگھر یالے بال۔ سالک کے دل کی پریشانی سے کنایہ۔ کلام الٰہی سے بھی عبارت ہے۔

بالوں کا جوڑا۔ (نوازش)

یاد وہ جب جوڑ مشکیں آگئی
دل میں اک ناگن تھی جو لہرا گئی

۴۳- جلال:

حق تعالیٰ کی صفتوں میں سے ہے۔ جو مہربانی اور نرمی سے کیا جائے اسے جمال کہتے ہیں اور جو عمل قہر کے انداز میں ہوتا ہے جلال کہتے ہیں۔ باطنی صفات کا نام جلال ہے اور ظاہری صفات کا نام جمال ہے۔ صوفیوں کی اصطلاح میں 'احتجاب حق' کو جلال کہتے ہیں۔

بزرگی، شان و شوکت، رعب داب، غصہ، تیزی، خشونت وغیرہ کے معنوں میں آتا ہے۔

(تعشق) غل ہے خوشا جلال، زہے شان حیدری

(ایضاً) جبو نکا جلالِ سرورِ عالم کا چل گیا

(ناسخ) دیکھا جو دوپہر کو جلال آفتاب کا

۴۴۔ جمال:

تجلی حق سے کنایہ ہے۔ باقی معنی جلال کے تحت بیان کیے جا چکے ہیں۔

حاشیہ: (نظیر)

ترے جمال کی سورج جھلک نہ دیکھ سکا
کھلی نقاب رخ کی جب تمک نہ دیکھ سکا

حسن، خوبصورتی وغیرہ سے

ادھر نمود پر آئی ہے ان کی شانِ جمال
اِدھر جلال کے پردے گرائے جاتے ہیں

جمع : شہودِ حق ۔ قایم بحق ۔

طرح متقل ہے ۔ گروہ جماعت جیسے (میر)

اس سے اک جمع نے لیا ہے جوگ
ایک فرقے کا ہے یہ جی کا روگ

ان کے معنوں میں بھی آتا ہے جیسے جمع خاطر ۔

جمعیت :
اس کی صفت ہے جو سب مشاہدہ کرے مگر وحدت کو قائم

گروہ کے معنی میں (انیس) سے
جمعیت لشکر کو پریشاں کیا دم میں

اطمینان ۔ (اسیر) سے
تنگی دل، غم کو آخر باعث راحت ہوئی
اس قدر سمٹی پریشانی کہ جمعیت ہوئی

چراغ :
دلِ سالک سے کنایہ ہے ۔

شبیہ : مرے مزار پہ شب جو ہجوم بلبل تھا
کہیں چراغ میں شاید کہ روغن گل تھا

بطور استعارہ کثیر الاستعمال۔

۴۸۔ **چشم:** حق کو دیکھنے والی چیز۔ شیخ جمالی کا کہنا ہے کہ بصارت ازلیہ سے عبارت ہے۔ (صائب) ؎

اے زبونِ حلقۂ زنجیر زلفت شیرہا!
سر بصحرا دادۂ چشم خوشت نخچیرہا!

حاشیہ: (مصحفی)

طے کر چکی ہیں کیا یہ رہ انتظار چشم!
پھڑکے ہے آج میری جو بے اختیار چشم

طرح چشم یار ہوں بادام کی جگہ!
لائق ہے مجھ پہ گر کریں مردم نثار چشم

کئی طرح مستعمل ہے "چشم امید" تو مروج ہے ہی، جیسے (درد)

ہے کسے چشم امید اے یار تو بے دید ہے
کر نہ چار آنکھیں رلا کر آٹھ آٹھ آنسو مجھے

مگر قدما نے چشم بمعنی امید بھی باندھا ہے۔ جیسے (میر)

تھی چشم دمِ آخر وہ دیکھنے آوے گا
سو آنکھوں میں جی آیا پر وہ نہ نظر آیا

۴۹۔ چمن :

صوفیوں کی اصطلاح میں گلستان کا مرادف ہے جس کا حال آگے آئے گا۔

حاشیہ :

(سودا)

نہ بلبل چمن نہ گل نو میدہ ہوں
ہیں موسم بہار میں شاخ بریدہ ہوں

قطعہ گلزار (جہاں پھول بوئے جاتے ہیں) کے علاوہ رنگارنگ آبادی کو بھی کہتے ہیں، جیسے ۔

کس حال میں یثرب کا چمن چھوڑ کے نکلی

(مزید دیکھیے 'باغ' کے حال تحت میں)

۵۰۔ چنگ :

مشہور ساز ہے۔ اس کا کنایہ مرشد سے کرتے ہیں

عام طور پر باجا کے معنی ہیں' رباب' کے ساتھ ملا کر بولتے ہیں جیسے چنگ و رباب یعنی گانا بجانا۔

(میر حسن)

خوشی سے پلا مجھ کو ساقی شراب
کوئی دن میں بجتا ہے چنگ و رباب

۵۱۔ حاجب :

چھپانے والا ۔ دربان، شیطان سے کنایہ ہے۔

(حافظ) بحاجب درِ خلوت سرائے خاص بگو

فلاں ز گوشہ نشینانِ خاکِ درگہ ماست

یعنی شیطان سے کہہ جو خلوت سرائے خاص میں داخل ہونے میں رکاوٹ ہے۔

حاشیہ: (نظیر)

جب کمال شوق سے میں روبرو اس کے گیا

تب وہیں حاجب سے فرمایا "اسے باہر نکال"

قلیل الاستعمال ۔ پردہ اور حجاب کے معنی میں بھی آتا ہے۔

۵۲۔ حال :

خدا کی بخشش سے سالک کے دل پر جو کچھ وارد ہوتا ہے اس کی طرف اشارہ ہے ۔ اس کے بعد ترقی ہو یا تنزل کہیں گے کہ یہ عطائے حق ہے جو بغیر سبب دل سالک پر نازل ہوتی ہے ؎

دم بدم جام حیات آمیز ہیں

حالتِ مستاں شور انگیز ہیں

'حال' کا یہ مفہوم کمتر ہونا کے ساتھ اور بیشتر آنا کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

جیسے (آتش)

مقبول مرے قول سے قوال ہوا ہے
صوفی کو غزل سن کے مری حال ہوا ہے

کیا کیا نہ رنگ تیرے طلب گار لا چکے
مستوں کو وجد و قبول کو حال آ چکے

۵۳۔ حضور:

مقامِ وحدت کو کہتے ہیں۔

تعظیمی کلمہ، غیبت کی ضد، حاضری، روبرو، سامنے وغیرہ

(امیر) ہے بےخودی تبا جس سے ہوتا ہے قرب حاصل
غائب جو آپ سے ہو پائے حضور تیرا

۵۴۔ حقیقت:

ماہیت کو کہتے ہیں۔ چیز کی اصل۔ گلشنِ راز، میں کہا ہے کہ ظہورِ ذاتِ حق، حقیقت ہے۔ بے حجاب، تعینات۔

مجاز کے خلاف۔ اور بھی کئی معنوں میں مستعمل ہے، ماجرا، صداقت، بساط، حیثیت، اوقات وغیرہ۔

۵۵- خاک کوے :

دنیا سے مراد ہے۔

حاشیہ : (نظیر)

گلی کی خاک بھی ہو کر نہ ٹھہرنے پائے
ہمیں تو آہ یہاں تک فلک نہ دیکھ سکا

اسی مفہوم میں خاکدان بھی آتا ہے، جیسے (صبا) ؎

دنیا جو ہے خاکداں تو ہم تم
گویا مٹی کی مورتیں ہیں

۵۶- خال :

دانے کی مقدار کا سیاہ نشان جو عضو پر ہوتا ہے، صوفیوں کی اصطلاح میں نقطۂ وحدت کی طرف اشارہ ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ خال عبارت ہے معصیت کی ظلمت سے جو انوارِ طاعت میں ہوتی ہے۔ چونکہ یہ بھی مقدار میں کم ہوتی ہے، اس لیے اسے خال کہتے ہیں۔ شیخ جمالی کہتے ہیں کہ خال نقطۂ روحِ انسانی سے عبارت ہے۔ شارح نے حافظ کے اس شعر۔

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دلِ ما را
بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

کی شرح میں 'خالِ ہندو' کو انصافتِ بیانی کے ساتھ 'طالبِ دنیا و دیں' لکھا ہے۔ یعنی طالب دنیا و دیں کو سمرقند و بخارا یعنی دنیا و دیں بخش دوں۔

حاشیہ: خال اس کے رخ پہ یار دو نہ کیوں خوشنما لگے
زنگی ہے نادرات سے ملک فرنگ میں!

۵۷۔ خانہ: مراد دنیا۔

لغوی معنی گھر۔ مکان وغیرہ، مگر مجازاً بہت طرح استعمال ہوتا ہے۔

۵۸۔ خراب:

وہ جو عقل کے تدابیر اور تصرفات کو ترک کر کے بے خودی اور فنا میں یعنی ذات خدا میں پیوست ہو جائے۔

بہت طرح سے مستعمل ہے۔ مست، مدہوش وغیرہ۔ اس مفہوم سے نزدیک ترین ہیں۔ جیسے (حسرت موہانی) ؎

جو اٹھا، مست اٹھا خراب اٹھا

۵۹۔ خرابات:

طرب آباد اور مے خانہ کو کہتے ہیں، جمع خرابہ اور اس کے معنی ہیں ویرانہ، اور "دیار محمد یاں" میں طرب آباد (مے خانہ) ویرانہ ہی ہوتا ہے اصطلاحاً مظہر جلال سے عبارت ہے۔ کشف اللغات اور شرح

گلشن راز میں خرابات کو مقام وحدت کہا ہے۔ (عصمت)

سرخوش از کوئے خرابات گزر کردم دوش!
بطلبگاریِ ترسا بچۂ بادہ فروش

حاشیہ: (سودا)

گردش سے اس نگاہ کی بے محتسب خبر
دنیا تمام بزم خرابات ہو گئی

'شراب خانہ' ہی کے معنی میں بیشتر مستعمل ہے۔ غالب

مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہیے

۶۰۔ خرابی:

عقل کے تدابیر و تصرفات ترک کر کے مستی اور فنا میں یعنی ذاتِ خدا میں پیوست ہو جانا۔

بمعنی۔ ویرانی۔ بربادی۔ (میر)

ٹپکے ہے اک خرابی گھر' در سے

بمعنی دقت' برائی' مشکل

(ظفر)

دل نے کی ساری خرابی لے گیا مجھ کو ظفر
واں کے جانے میں مری توقیر آدھی رہ گئی

۶۱۔ خرقہ:

وجود سالک سے کنایہ ہے۔
درویشوں کا لباس ہے

اے رضا پاتے ہی خرقہ فقر کا
دل حریر و پرنیاں دینے لگا

۶۲۔ خط:

سبزہ جو چڑھتی جوانی میں، رخسارِ محبوباں، پر ظاہر ہوتا ہے۔
کنایہ ہے صفات واحدیت کے نور سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ 'خط'
عالم ارواح سے عبادت ہے۔

حاشیہ: خط کے آنے سے یہ ہوا معلوم
حسن کے بادشہ نے کوچ کیا

اسی مفہوم میں (میر)
حسن تھا اس کا عجب عالم فریب
خط کے آنے پر بھی اک عالم رہا

۶۳۔ خطرہ:

اندیشہ جو کہ دل پر گزرتا ہے اور یہ چار طرح کا ہے، نفسانی، شیطانی
ملکی، رحمانی۔ صوفیوں کی اصطلاح میں وہ مقام جب بندہ رب ہوتے

کا دعویٰ کرتا ہے۔ بندہ اس کے رفع میں قادر نہیں ہوتا ہے

بندۂ حق بسوئے حق خواند
دفع آں خطرہ بندہ نتواند

عربی میں خطرہ بمعنی ودلو کا جھوٹا ہے۔ فارسیوں نے خطرہ بنالیا اور اندیشہ، کھٹکا، خوف، ڈر کے معنی میں استعمال کیا ہے

خطرہ میں ہے پھر بھی مطمئن ہے

۷۴۔ خُم :

خم مرشد سے کنایہ ہے۔

شراب کا مٹکا۔ (شاد)

کہاں سے لاؤں صبر حضرت ایوب اے ساقی
خم آئے گا صراحی آئے گی تب جام آئیگا

۷۵۔ خُمار :

بالضم و تخفیف میم نشہ اور کدورت جو شراب پینے کے بعد باقی رہتی ہیں۔ وحدت پر پردہ ہائے کثرت ظاہر ہونا اور یہ تلوین سالک کا مقام ہے۔

حاشیہ :

(سوداؔ)
ساقی خبر شتاب لے میرے خمار کی
طاقت نہیں رہی ہے مجھے انتظار کی

(امیرؔ) ؎

چشمِ مخمور سے ٹوٹے کہیں ان کا نہ خمار

۶۶۔ خمّار:

بالفتح وتشدید میم ۔ مے فروش اور مرشدِ کامل سے کنایہ ہے ؎

بمعنے فروش ۔ (جوش ملسیانی)

پی لی تو بطِ مے کی ثنا ہم نے سنائی
یوں خانۂ خمار میں بے پر کی اڑائی

۶۷۔ دُختر زر:

شیرۂ انگور ۔ اصطلاح میں بادہ کا مرادف جس کا بیان پہلے آچکا ہے ۔

دخترِ زر، دختِ زر، دخترِ انگور، دخترِ عنب، دختِ تاک سب ہم معنی ہیں یعنی شراب (رشکؔ) ؎

کیوں ہے اس کی صحبتوں سے زاہدوں کا اجتناب
دخترِ انگور کو پابندیٔ شوہر نہیں!

ذوق کا یہ مشہور مصرع ہے

اے ذوق دیکھ دخترِ رز کو نہ منہ لگا

۶۸۔ دردی کش :

قلندر اور ملامتی۔ چونکہ صوفی صافی کو کہتے ہیں، اس کا درجہ ان دونوں سے بڑا ہے۔ عرفی کہتا ہے ؎

الوداع از من دردی کش بے ہوشئی دوست

کا نیک از خویش بسوئے مے رہبان رفتم

دُردی کش، دُرد، کش، درد آشام۔ یعنی بچی کچھی شراب پینے والا۔ درد کے لغوی معنی تلچھٹ کے ہیں۔

(امیر) ؎

ساقیا دردِ مے صاف نہیں بیٹھ گئی

شربتی ڈاک تھی یہ زیرِ زمیں بیٹھ گئی

۶۹۔ دشمن :

عدو کا ترجمہ ہے، جس کا بیان آگے آئے گا۔

اصطلاح میں جو معنی بھی ہوں، مگر عموماً مخالف اور بدخواہ کے معنی میں آتا ہے۔ حریف، رقیب کے معنی میں مستعمل ہے۔ جیسے :

(جلالؔ):

دل لگانا نہ اس کی چتون سے
دوست بن کر کہوں گا دشمن سے

۷۰۔ دِل

اس لطیفہ ربانی کو کہتے ہیں، جو زبان سے بیان نہیں ہو سکتا۔
جامیؔ ؎

دل نہ ہمیں قطرۂ آب و گل است
ورنہ مُخراز فصلِ تو صاحبدل است

اردو میں اصطلاحی معنی بہت سے ہیں جیسے نیا تنی۔ ہمت باطن، صدر مقام، خلاصہ، لب لباب وغیرہ خوشی اور مرضی کے معنوں میں بھی آتا ہے جیسے۔ شرفؔ ؎

مری خوشی جو ہیں مرتا ہوں اس ستمگر پر
کسی کا مجھ پہ ہے کیا اختیار میرا دل

۷۱۔ دلق:

ہستی مستعار سے کنایہ ہے۔ (حافظؔ) ؎

بیار بادہ کہ رنگیں کنیم جامہ و دلق
کہ مست جام غروریم و نام ہشیاری ست

فقیرانہ لباس کو کہتے ہیں۔ ظفر

چاہیے درویش کو کیا بادشاہانہ لباس

چھوڑ کر دلق اپنا کیوں پہنے وہ بیگانہ لباس

۷۲۔ دُوناں:

ظاہر پرستوں سے کنایہ ہے

لغوی معنی بھی کم و بیش یہی ہیں کمینہ، ادنیٰ، فقیر، کم وغیرہ

شعورت فلکِ دُوں نہیں اچھا ہے ستانا میرا

دَور تیرا نہ رہے گا، نہ زمانہ میرا

(دُوناں، دُوں کی جمع ہے۔ معنی اوپر بیان کیے گئے)

۷۳۔ دَہان:

"سرِ مخفی" سے کنایہ ہے کیونکہ یہ محبوب کے تکلم کی صفت ہوتی ہے، اسی لئے اس کو کوچک سے تعبیر کرتے ہیں۔ (جیسے دہن تنگ یعنی خوبصورت منہ) صاحب مراۃ المعانی کہتا ہے ؎

عارفاں کاں گوہرِ جاں سفتہ اند

سرِ مخفی را دہانش گفتہ اند

حاشیہ: (نظیر)

نہ سرخی غنچۂ گل میں ترے دہن کی سی

نہ یاسمن میں صفائی ترے بدن کی سی

میں ہنس کے اس لئے منہ چومتا ہوں غنچہ کا
کہ کچھ نشانی ہے اس میں ترے دہن کی سی

منھ۔ دہانِ زخم بھی بولتے ہیں جیسے (جوش ملسیانی) ؎

دہانِ زخم سے بھی جوشِ حالِ دل سنا دیکھی !!
نمک پاشی ہی تھا ان کا جواب اوّل سے آخر تک

۷۴۔ دی:

روز گذشتہ اور کنایہ ہے اس وعدے سے جو روزِ الست کو پورا ہوگا

دی وعدہ داد وصلم در سر شراب داشت
امروز تا چہ گوید و بازش چہ در سر است

یعنی معشوق نے روزِ الست کو وصل کا وعدہ کیا۔

گزرا ہوا کل (غالب) ؎

فردا و دی کا تفرقہ اک بار مٹ گیا
تم کیا گئے کہ ہم پہ قیامت گزر گئی

۷۵۔ دَیر

معبد راہباں۔ اور عشق و محبت سے کنایہ ہے

بت خانہ ۔ اصطلاحی معنوں میں 'دنیا' جیسے دیرِ مکافات۔

۷۶۔ دیرِ دول و دیرِ مغاں :

دنیا سے کنایہ ہے۔

۷۷۔ دیو :

ہوائے نفس سے کنایہ ہے۔ حافظؔ ؎

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز

بسوخت دیدۂ حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

یعنی محبوب سے غافل ہیں اور ہوائے نفسانی سے شغل کرتے ہیں

جن، بھوت، شیطان، سرکش، تو ہی ہیکل (آتشؔ) ؎

میں نے لیا بغل میں پریِ وصال کو

دیوِ فراق کشتی میں مجھ سے چھٹ گیا

۷۸۔ دیوانہ :

عاشق کامل سے عبارت ہے کہ اس پر احکامِ عشق غالب آتے ہیں

اور اس کی اپنی عقل بیکار ہو جاتی ہے۔ مولوی رومؔ ؎

آزمودم عقلِ دور اندیش را

بعد ازاں دیوانہ کردم خویش را

۷۹۔ ذات:

"دراصطلاح سالکاں ذات را بے اعتبار صفات احد گویند
دبا اعتبار جمع صفات، واحد نیابی گوید
ذات صفت صفت گرفت   حیرت رو معرفت گرفت

بمعنی ہستی، جسم، قوم، اوقات، آبرو جیسے برمحل استعمال
"ہاتھ بیچا ہے ذات نہیں بیچی"

۸۰۔ ذقن:

زنخداں کے تحت بیان کیا جائے گا۔

حاشیہ سہ

مجھکو چاہِ ذقن دکھاتا ہے
میرا یوسف کوئی جھکاتا ہے

ٹھوڑی۔

وزیر سہ

بے صفائی کے سبب عکس مسوں کا اس پر
خط سے یہ سبز نہیں ہے ذقنِ سرخ ترا

۸۱۔ ذوق:

عشق کی شراب چکھنے پر عاشق کو جو مستی ہوتی ہے اور کلام محبوب

کے سننے اور اس کے دیدار کے مشاہدے سے جو شوق پیدا ہوتا ہے اور پھر بیچارے عاشق کی خواری سے جو وجد آتا ہے اور وجد میں جب عاشق بے شعور ہو کر محو مطلق ہو جاتا ہے' ایسے عالم کو ذوق کہتے ہیں۔

چکھنے کی قوت' سخن فہمی' سمجھنے کا سلیقہ' مزہ' لطف' دلچسپی جیسے ؎

شوق تھا ان کو علم و حکمت سے
ذوق تھا نکت ہائے فطرت سے

۸۲۔ رازِ نہاں:

عشق سے کنایہ ہے۔

پوشیدہ راز۔ رازِ خفی ؎

شبیرؑ چراغِ حرم لم یزلی ہے
اللہ کا ہر رازِ خفی اس پہ جلی ہے

آپ نے اس ناز سے مارا خدنگ
دل میں آ کے رازِ پنہاں ہو گیا

۸۳۔ راہب:

قوم نصاریٰ کا خدا پرست' عبادت گاہ کا پجاری۔

خانانی ؎

فلک کجرو تراست از خطِ ترسا
مرا دارد مسلسل راہبِ آسا

ترکیب میں اصطلاحاً بھی بولتے ہیں جیسے

اے راہبِ غم عیش کے لمحوں کے سوا
ہم کن کو خدا بنائیں کن کو پوجیں !

۸۴۔ رباب :

ایک ساز کا نام ہے اور مرشد سے مُراد ہے۔

سارنگی کی قسم کا ایک ساز۔

نہ میں پردہ دل، نہ میں ساز ہوں نہ سرودِ روح گداز ہوں
مگر ایک نغمۂ راز ہوں، جو تڑپ رہا ہے رباب میں !!

۸۵۔ رقیب :

نگاہدار اور وہ شخص جو معشوق کو عاشق کی طرف توجہ کرنے سے باز رکھتا ہے نفسِ امارہ سے بھی کنایہ ہے اور شیطان کو بھی کہتے ہیں۔

حافظؔ

زرقیب دیو سیرت بخدا ہمی پناہم
مگر آں شہاب ثاقب مددے کند خدا را

یعنی نفس امّارہ یا شیطان سے پناہ مانگتا ہوں۔ یہاں شہاب ثاقب سے مراد مرشد ہے۔

حاشیہ: نظیرؔ

ہمارے مرنے کو وہاں تم تو جھوٹ سمجھے تھے
کہا رقیب نے لو اب تو اعتبار ہوا

۸۶۔ رند:

برہان میں ہے کہ رند زیرک و بے باک و منکر و لا اُبالی و بے قید ہوتا ہے۔ اور اسی لئے بھی رند کہا جاتا ہے کہ رند لوگ اہل قید و صلاح کے منکر ہوتے ہیں اور وہ شخص جو ظاہر میں خود کو ملامت کرتا ہے مگر باطن میں سلامت رہتا ہے۔ کشف اللغات میں آیا ہے کہ سالکوں کی اصطلاح میں شراب خوار اور شراب فروش کو کہتے ہیں جو شراب نیستی دیتا ہے اور لفظ مستی سالک لیتا ہے اور رند اس کو بھی کہتے ہیں جو احکام کثرات و تعینات سے معرا ہو جاتا ہے اور خود کو فنا میں محو کر کے ہر قید سے آزاد ہو جاتا ہے۔

حافظؔ

رندِ عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار
کارِ عقل است آنکہ تدبیر و تحمل بایدش

حاشیہ: نظیرؔ

زاہد تو کم خوری سے کرے تن کو اپنے کاست
ہم رند پی شراب کریں عیش دل کے راست

۸۷۔ رندی:

اعمال و کردار میں یار و اغیار سے بغض نظر۔ اور یکرنگی سے بھی عبارت ہے۔ و کتمان اسرار سے بھی مُراد ہے۔ حافظؔ

حافظا مے خور و رندی کن و خوش باش ولے
دام تذویر مکن چوں دگراں قرآں را

یعنی چھپ کر پیو اور خوش رہو۔ حافظؔ

چہ نسبت است بہ رندی صلاح تقویٰ را
سماعِ وعظ کجا، نغمۂ رباب کجا

یعنی یکرنگی سے صلاح و تقویٰ کو کوئی نسبت نہیں۔

صاحب المراۃ المعانی کہتا ہے ؎

رندی ایں جا عالم بے باکی است ۔۔۔ در طریقت چستی و چالاکی است
پائے بند رشتۂ صوم و صلوٰۃ ۔۔۔ رندی اینجا سود کے باشد زیان
کعبہ و بُت خانہ او را بیشکے ۔۔۔ در رہ رندی ہمی گردد یکے

۸۸۔ روح:

صوفیا کی اصطلاح میں انسانی لطیف راز ہے

جان ما ریزد آمد در وجود
در عبارت بیش ازیں نتواں نمود

جان، جوہر، دل، خواہش، نیت، ایک لطیف شے جو زندگی اور حس و حرکت کا باعث ہے۔

روح کو جدا کون کر سکا!
ہم بھی آپ ہیں آپ بھی ہیں ہم

۸۹۔ **روزہ:**

اس وقت سے عبارت ہے جب اہل سلوک تخلیۂ باطن پیدا کرتے ہیں اور پارسائی میں مصروف ہوتے ہیں (حافظ) ؎

روزہ یک سو شد و عید آمد و دلہا برخاست
مے ز مے خانہ بجوش آمد و مے باید خواست

یعنی وقت زہد و پارسائی جو عبارت کے لئے درکار تھا گزر گیا اور عید یعنی تجلیوں کے مشاہدے کا وقت آپہنچا۔

(امیر) تیس دن سے پلائی ساقی نے
ایک روزہ مرا قضا نہ ہوا

۹۰۔ ریا:

حق سے حجاب کرنا ۔

بہ ریا ہر کہ سر برافرازد
دامن از خون خود براندازد

حاشیہ (نظیری)

یہ وہ دریا نہیں تو جس میں کرے آ کے شنا
گر تو چاہے کہ یہاں آوے تو لے غرق رہا
یہ تو ہے معدن انوار یقیں صدق و صفا
پاک صافی شو و از چاہ طبیعت بدر آ
کہ صفائی ندہد آپ تر آب آلودہ!

دورنگی، ظاہرداری، دنیاسازی وغیرہ ۔

۹۱۔ زاہد:

عبادت کرنے والا اور بے رغبت ۔ سالکوں کی اصطلاح میں اس کو کہتے ہیں جو ہمیشہ توجہ آخرت پر رکھے اور دنیا کی راحت اور لذت سے اعراض کرے ۔ ضرورت سے زیادہ عیش آرام کی زندگی کو حرام سمجھے ۔

لغوی معنی بھی یہی ہیں ۔ ؎

زندگی بھی حرام ہے، زاہد!
مے کا پینا اگر حلال نہیں

۹۲۔ زاہدِ خشک :

یعنی زاہد بے درد و خشک ۔

لغوی معنی بھی یہی ہیں (منیر) ؎

کوئی بھی نہ کی خرچ نے زاہدِ خشک
کیا مفت میں ہم تارکِ لذات ہوئے

۹۳۔ زلف :

بالوں کی لٹ جو کنپٹی کے ارد گرد ہوتی ہے اور محبوبوں سے مخصوص ہے تجلی جلالی و صفات قہر خداوندی" سے کنایہ کرتے ہیں ۔ کثرت سے تشبیہ دیتے ہیں ۔ یہ حاجب رو ئے وحدت وجذبۂ الٰہی" بھی ہے ۔ کفر کی تاریکی سے بھی عبارت ہے ۔ اور دنیا کو بھی کہتے ہیں ۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

زلفت ز ہر دو جانب خوں ریز عاشقاں است
چیزے نمی تواں گفت رو ئے تو در میاں است

یعنی تجلیِ جلالی اور تیرا قہر، عاشقوں کا جلا دینے والا ہے ۔ بابا فغانی کہتا ہے ؎

سخن ز صورت چیں می گذشت در مجلس
کشید زلف ز نازش کہ نقش چیں این است

صاحب مراۃ المعانی کہتا ہے ؎

زلف نام جذبۂ لطفِ حق است
دل کہ قیدش گشت جانِ مطلق است

حافظ کہتا ہے ؎

باد بر زلفت وزید و شد جہاں بر من سیاہ
نیست از سودائے زلفت غیر ازیں توقیرِ ما

یعنی جب دنیا پر پریشانی نازل ہوتی ہے مجھ پر جہاں تاریک ہو جاتا ہے۔ تیری زلف کے سودا کے سوائے دنیا میں میری افزونی نہیں۔

حاشیہ ؎

زلف ہو بر سرِ احساں تو گرفتار کرے
چشم کی عین عنایت ہے کہ بیمار کرے

خیال زلف بتاں میں نصیر پیٹا کر
گیا ہے سانپ نکل اب لکیر پیٹا کر

۹۴۔ زنّار :

معشوق کی زلف سے کنایہ ہے۔ نیز زلف کو زنار سے تشبیہ دیتے ہیں۔

عصمت ؎ پیشم آمد بسر کوچہ پری رخسارے
کافرے عشوہ گرے زلف چو زنار بدوش

سالکوں کی اصطلاح میں عقد خدمت بندہ وطاعت محبوب حقیقی سے عبارت ہے اور زنار اس چیز کو کہتے ہیں جو یکرنگی کی علامت رکھے۔

حافظ ؎

وقت آں شیریں قلندر خوش کہ در اطوار سیر
ذکر تسبیح ملک در حلقۂ زنار داشت

یعنی سالک کی وہی گھڑی سہانی ہے جب وہ حقیقت کو شعار بنالیتا ہے اور یکرنگی کا نقش بن جاتا ہے۔

دھاگا جو گلے میں ڈالے رہتے ہیں۔ (ہندو) جینو
جب گلے سے مرے زنار بکھڑ کر کھینچا
ساتھ لپٹی ہوئی سو مزیں وضو کی نکلیں

۹۵۔ زنخ :

زنخداں میں بیان ہوگا۔

۹۶۔ زنخداں :

یعنی چاہ جو نچلے ہونٹ کے نیچے ہوتا ہے۔ عربی میں اسے ذقن کہتے ہیں۔ بمعنی سخن "دسخنانِ بے نفع وبیہودہ" بھی ہے۔ اصطلاح میں محبوب

کہ لطف قہر آمیز سے کنایہ ہے کیونکہ سالک کو "چاہ جادوانی" سے "چاہ ظلمانی" میں ڈال دیتا ہے۔ صاحب مراۃ المعانی ؎

چیست سیب دانی زنخداں در صفات
لطف کر وے قہر وے مانند بذات
ہست رنزے در میان بوے سیب
بہ بُدی کرد وے نمود ے ایں فریب
می نماید سیب ہر شیار و مست
می رباید جان مدہوشی ز دست

صائب کہتا ہے ؎

باغباں در کشو داشت گلستاں ترا
بوسہ کرد است صبا سیبِ زنخدان ترا

حاشیہ (نظیر)

حسن گلزار، قمر شکل، سراپی گردن
مہ جبیں سیب ذقن چاہ زنخدان پری

ٹھڈی (مہر) ؎

سُرخ و سفید اس کی زنخداں کہاں ہائے
پایا کہاں ہے سیب نے یہ رنگ اور یہ آب

۹۷۔ زہد :

عبادت کرنا۔ دنیا اور اس کی آرزؤں سے ترک تعلق کرنا۔

پرہیزگاری (داغ)

یہ زہد آپ کا اے داغ سب ہے مکروفریب
ہزار پھیرے تسبیح لاکھ دالوں کی

۹۸۔ زہد خشک :

اسے کہتے ہیں کہ صورت تو زہد کی ہو مگر اصول اور معنی میں ایسا نہ ہو' اور بے عشق و محبّت ہو۔

لغوی معنی بھی یہی ہیں۔ (سودا) ؎

ہے زاہدا! عطائے ازل سے خبر مجھے
تجھ کو تو زہد خشک ملا چشم تر مجھے

۹۹۔ ساربان :

مرشد سے کنایہ ہے جو سالکوں کے عشق کے بوجھ کو اپنی پیٹھ پر لادے رہتا ہے۔ سعدی ؎

اے ساربان! آہستہ رو کارام جانم می رود
آں دل کہ باخود داشتم بادلستانم می رود

اونٹ ہانکنے والا (عزیز لکھنوی) ؎

امے اے ساربان جذبات باطن کھینچ سکتے ہیں
زمامِ ناقۂ لیلیٰ بھی مجنوں کی رگِ دل ہے

۱۰۰۔ ساغر

جام میں آچکا ہے۔

پیالہ (چکبست) ؎

ایک ساغر بھی عنایت نہ ہوا یاد رہے
ساقیا جاتے ہیں محفل تری آباد رہے

۱۰۱۔ ساقی :

پلانے والا: اصطلاح میں مرشدِ طریقت سے عبارت ہے۔ یعنی اہلِ تصوف کا رہبر۔ قضا و قدر کو بھی کہتے ہیں۔ حق تعالیٰ بھی کہ عاشقوں کو خود شراب عشق و محبت دیتا ہے اور انھیں محو و فنا کرتا ہے۔ یہ عاشق اربابِ شہود و ذوق ہوتے ہیں۔ ان کے سوائے دوسرا شراب عشق و محبت نہیں پاتا۔

(حافظ) ؎ الا یا ایھا الساقی ادر کاساً و ناولہا
کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

نظامی کہتا ہے ؎

مرا ساقی از وعدهٔ ایزدی ست
صبوح از خرابی مے از بیخودی ست

حاشیہ : ؎

لگا گھٹا نے جواب مے کو مدام ساقی !!
ہمارے جام کی شاید جھلک نہ دیکھ سکا

۱۰۲۔ سالک :

راہ چلنے والا اور راہ پہنچانے والا اور مرشدِ عالی کے نقشِ قدم پہ رواں رہنے والا۔

پابندِ شرع ، درویش ، زاہد وغیرہ

عام معنی ۔ راہ چلنے والا ؎

بولا بس کہ رو غریب
آپ کے دل کو دے خدا راحت

۱۰۳۔ سالک واصل :

اس کو کہتے ہیں جو آغازِ سلوک میں مضبوطی سے حق سے پیوستہ ہو جائے ۔ توحیدِ مطلق میں فنا ہو جائے اور بے نام و نشان ہو کر رہ جائے ۔

۱۰۴۔ سالک مالک :

اسے کہتے ہیں جو ابتدائے حال میں تو مجاز کا اسیر رہے اور حقیقت سے باز رہے۔ مگر اس کا مقصود و مطلوب وہی (یعنی حق) رہے ۔

ہرچہ در دنیا خیالت آں بود
تا ابد راہ وصالت آں بود

۱۰۵۔ سایۂ معشوق :

جلوۂ معشوق سے کنایہ ہے۔

۱۰۶۔ سبک سار :

"سلف وابلِ ظہور و تجرد" سے کنایہ ہے ۔

بے وقار، کم قیمت ۔ کمینہ، احمق وغیرہ کے معنوں میں مستعمل ہے ۔

۱۰۷۔ سجّادہ مصلاّ :

یعنی جائے نماز۔ وجود سالک سے کنایہ ہے ۔ اور مصلاّ دنیا کے نشے سے بھی عبارت ہے ۔ حافظ ؒ

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نہ بود ز راہ و رسم منزلہا

سجادہ بمعنی جانماز قلیل الاستعمال ہے (دبیر) ؎
اور اک زیر فلک ننھا سا سجادہ بچھاؤ

۱۰۸۔ سحر:

صبح کا مرادف ہے۔ حال آگے آئے گا۔

۱۰۹۔ سرو:

معشوق سے اور مرشد سے بھی کنایہ ہے۔

حاشیہ: (مظہری) ؎

چمن میں جا کے خمیازہ جو سرو ناز تو کھینچے
تو قمری دل سے اپنے نعرۂ حق سرہ کھینچے

۱۱۰۔ سنگدل:

محبوب کی صفت اور کنایہ ہے بیوفائی حسن کی صفت ہے۔

حاشیہ: ؎

سنگدل پتھرا گئیں آنکھیں مری
تو نہ آیا آگئیں آنکھیں مری

۱۱۱۔ سوسنِ آزاد:

عارف اور قدِ معشوق سے کنایہ ہے۔

سوسن آسمانی رنگ کے ایک پھول کا نام ہے (اختر) ؎

مِسّی لگا کے سیرِ چمن کو جو آئے ہو!!

سوسن تمہارے ہونٹوں سے شرمائی جاتی ہے

صاحبِ بُرہان نے لکھا ہے کہ سوسن کا جو پھول سفید رنگ کا ہوتا ہے اسے سوسنِ آزاد کہتے ہیں۔

۱۱۲۔ شام

فنا اور نیستی کے وجدان کے وقت سے کنایہ ہے۔

سورج ڈوبنے کا وقت۔ مغرب کا ہنگام۔ (فانی) ؎

تم تھے تو مری شام میں تھا صبح کا عالم

تم جب سے گئے شام جھلکتی ہے سحر میں

(جوش ملسیانی) ؎

روشنی تاریکیوں سے کم نہیں

ہم غریبوں کی سحر بھی شام ہے

۱۱۳۔ شاہد:

ظہور و حضور کے اعتبار سے حق کو کہتے ہیں۔ کمال کہتا ہے ؎

حلال بادہ دحور خلد زاہد را
کہ واگذشت برندان شراب شاہد را

گواہ۔ شہادت دینے والا۔ حسین اور محبوب کو بھی کہتے ہیں۔

(فقیرؔ) ؎

اپنا شاہد سب حسینوں سے نرالا ہے فقیرؔ
کس پہ دل آیا ہے دل آنے پہ کو ناز ہے

۱۱۴۔ شب:

دُنیا سے عبارت ہے جو کہ تاریک ہے اور روشنی جو اس میں دکھائی دیتی ہے، عارضی ہے اس روشنی سے جو آفتاب و ماہتاب، شمع اور چراغ وغیرہ کی ہوتی ہے۔ حافظ ؎

شب تاریک و بیم موج گرداب چنیں حائل
کجا دانند حالِ ما سبکساران ساحل ہا

رات (مومنؔ) ؎

بُلا اس سیہ روز کو بزم میں
شبِ عیش اے مہ جبیں، ہو چکی

۱۱۵۔ شحنہ :

معاش و معاد سے کنایہ ہے۔ حافظ ؎

مارا بمنعِ عقل مترسان و مے بیار
کاین شحنہ درولایت ماہیچ کارنیست

یعنی میری عقل جو شحنۂ وجود ہے کسی کام کے لائق نہیں۔ اس کے
منع کرنے سے نہ ڈرا اور مجھے مئے محبت عطا کر۔

کوتوال۔ محافظ وغیرہ (غالبؔ) ؎

مہرِ رخشاں کا نام خسروِ روز
ماہ وِ تاباں کا اسم شحنۂ شام

۱۱۶۔ شراب :

بادہ کا مرادف ہے۔ جس کا بیان آچکا ہے۔

حاشیہ : (سوداؔ) ؎

ٹوٹے تری نگہ سے اگر دل حباب کا
پانی بھی پھر پئیں تو مزا ہے شراب کا

عرق، پانی، شربت مگر بیشتر نشہ آور عرق مستعمل ہے۔

جگرؔ اے محتسب نہ پھینک ارے محتسب نہ پھینک
ظالم شراب ہے ارے ظالم شراب ہے

۱۱۷۔ شکر:

شیرینی معروف۔ دُنیا سے مراد ہے اور اس کی سند لفظ قند میں آئے گی۔

چینی کھانڈ وغیرہ۔ مفا اور فعلن
دونوں وزنوں میں آتا ہے (وحیدؔ) سے
لذّت شکر کی پھر نہ سخن ور کریں پسند
(بحرؔ)
آگیا زہر بھی حصّے میں تو شکر سمجھا

۱۱۸۔ شمع:

سالک کے عقل و دل سے کنایہ ہے اور عبارت ہے عرفان کے نور سے۔ معشوق کی طرف بھی اشارہ ہے۔ اصطلاح میں انوارِ الٰہی کا پرتو کہا جاتا ہے جو سالک کے دل میں ظہور کرتا ہے۔

موم بتی (جلیلؔ)
محفل کی سب بہار ہوئی صبح تک ہوا
ہاں شمع اک بجھی ہوئی محفل میں رہ گئی

۱۱۹۔ شیخ:

حرص و آز سے کنایہ ہے اور سالکوں کی اصطلاح میں طریقت و حقیقت کے اعتبار سے انسان کامل مُراد ہے۔

حاشیہ: (سودا) سے

پھرے ہے شیخ یوں کہتا کہ میں دُنیا سے منہ موڑا
الٰہی اس نے اب داڑھی سوا کس چیز کو چھوڑا

مرد پیر۔ مُرشد۔ بزرگ۔ عالم۔ پیشوا۔ سجّادہ نشیں۔ ناصح

(جوشؔ ملسیانی)

پی لوگے اگر شیخ تو کچھ گرم رہو گے!
ٹھنڈا ہی نہ کر دیں تجھے جنت کی ہوائیں

۱۲۰۔ شیشہ:

اصطلاح میں صراحی، مینا، بطِ مے اور ایسے ہی دوسرے الفاظ شیشہ کے مرادف ہیں۔ اور کنایہ ہیں "مردِ روحانی و عارف سبحانی" سے

صائبؔ سے

دو چیز افتاد خوش در بزم مے خواراں مرا صائب
بپا افتادنِ ساقی، بسر غلطیدنِ مینا

حاشیہ: (نظیرؔ) سے

کب مثل شیشہ ان سے کسی کا برآئے دل
پتھر جنہیں خدا نے دیا ہو بجائے دل

شراب وغیرہ رکھنے کی کانچ کی بوتل (امیر) ؎

سمجھے ہیں جس کو اہلِ زمیں چرخ آبگوں
اک شیشہ ہے مرے عرقِ انفعال کا

۱۲۱۔ صاحبدل :

مرشد سے کنایہ ہے ۔

اہلِ دل، عارف، خدا شناس، حق آشنا (نظم طباطبائی)

خدا ہی کو خبر ہے کیسے کیسے ہوں گے صاحب دل

۱۲۲۔ صاحبِ دیوان :

"معشوقِ حقیقی و قضا و قدر" سے کنایہ ہے ۔

شاعر، جس کا کلام، مطبوعہ یا غیر مطبوعہ، کتابی شکل میں جمع ہو چکا ہو۔

۱۲۳۔ صبا :

ہوا، جو مشرق کی طرف سے آتی ہے ۔ بہار اور تذکرۃ الاولیا میں ہے کہ صبا وہ ہوا ہے، جو عرش کے نیچے سے اٹھتی ہے اور صبح کے وقت چلتی ہے ۔ اس سے گل کھلتے ہیں ۔ عبدالرزاق کاشی کی اصطلاح میں صبا "نفحاتِ رحمانیت" ہے اور دیوانِ حافظ کی شرح میں الہام اور مکاشفہ

سبحانی ہے کہ اسے وحی خفی کہتے ہیں۔ اس کا کنایہ سالکِ کامل، رفیق، مرشد،
ملک الموت، عالموں، فاضلوں سے بھی کرتے ہیں۔ حافظؔ کہتا ہے ؎

نشانِ یار سفر کردہ از کہ پرسم باز
کہ ہر چہ گفت برید صبا پریشاں گفت

یعنی عالموں فاضلوں نے مخالفت ہی کی ہے

؎ مے رسد بادِ صبا رقص کناں مے آید
خوش نسیمی است کہ از مشرقِ جاں مے آید

؎ با صبا ہمراہ بفرست از رُخت گلدستۂ
بو کہ بوئے بشنوم از باغ و بستانِ شما

؎ اے صبا گر بجوانانِ چمن باز رسی
خدمتِ ما برساں سرو و گلِ ریحاں را

وہ ٹھنڈی ہوا جو پچھلی رات یا صبح کو چلے۔ کثیر الاستعمال۔
(جوشؔ ملسیانی) ؎

خدا جانے صبا ہر روز کیا پیغام لاتی ہے
کہ پہروں کانپتے رہتے ہیں تنکے آشیانوں میں

۱۲۴۔ صبح:
سالک پر حقیقت ظاہر ہونے کے وقت سے کنایہ ہے کہ اس وقت
وہ بہت شور و غوغا کرتا ہے۔ اس سفیدی سے بھی عبارت ہے جو آفتاب

حقیقت طلوع ہونے سے پہلے سالک کے دل پر ظہور کرتی ہے" دریافتِ نیستی وفنا" اور ملکِ بقا کی طرف توجہ کرنے سے بھی عبارت ہے۔

تڑکا، سویرے کا وقت۔ (داغؔ) ؎

صبح ان مست نگاہوں کا نہ پوچھو عالم
جن میں تعارات کا کچھ نشہ رہا باقی

۱۲۵۔ صبحِ دولت:

وقتِ وصل سے کنایہ ہے۔

۱۲۶۔ صحبتِ یاراں:

نفسِ وجد کی صحبت سے کنایہ ہے، جو طالب اور مطلوب کے درمیان ہوتی ہے۔ حافظؔ

؎ صحنِ بستاں روح بخش و صحبتِ یاراں خوش است
وقتِ گل خوش باد کز دے وقتِ میخواراں خوش است

صحنِ بستاں یعنی دنیائے ذوق بخش اور صحبتِ جسم و نفس خوش، یعنی اگرچہ ملکِ عدم میں ہم وصل میں مستغرق ہیں لیکن اس کی قدر نہیں جانتے ہیں۔ جب دنیا میں پہنچتے ہیں اور فراق کی اذیت کو چکھتے ہیں تب قدرِ وصال ہوتی ہے۔

۱۲۷۔ صراحی :

مردِ روحانی اور عارفِ سبحانی سے کنایہ ہے اور عبارت اس مقام سے کہ جہاں سالک تحیّر پذیر ہو جاتا ہے اور فتوحاتِ غیبی اس کے دل پر وارد ہوتی ہیں۔ عارف کے باطن سے بھی عبارت ہے۔ معنیِ اوّل میں

حافظ ؎ دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل است
صراحیِ مے ناب و سفینۂ غزل است

حاشیہ (انشا) ؎
کیا کام ہم کو سجدۂ دیر و حرم کے ساتھ
مستوں کا سر جھکے ہے صراحی کے خم کے ساتھ

نشہ میں شب جو دیکھی اس بتِ مغرور کی گردن
صراحی کی تو ساقی نے پٹک کر چور کی گردن

۱۲۸۔ صلاح :

بالفتح، نیکو کار ہونا۔ دیوانِ حافظ کی شرح میں درج ہے کہ صلاح کے معنی پرہیزگاری کے ہیں اور عبارت ہے نتیجۂ ہستی سے۔ جب تک کوئی اس ہستی موہوم بھی وجود پذیر نہ ہو اس کا نتیجہ بھی وجود میں نہیں آتا۔ اس لیے اگر مستی منظور ہے تو خدا پرستی دور ہے۔

مشورہ، رائے، اچھائی، نیکی وغیرہ جیسے

ذوقؔ ؎

اس چشمِ مست کے ہیں خرابانیوں میں ہم
تقویٰ کجا و زہد کجا و کجا صلاح

۱۲۹۔ صلیب :

چلیپا (چلیپ) کا معرب ہے جو اس صورت ✝ سے مشہور ہے۔ عیسائی لوگ اپنی دانست میں اسے حضرت عیسیٰ کی شبیہہ جانتے ہیں اور اس کی پرستش کرتے ہیں۔

بمعنی سولی (میرؔ) ؎

یہ رُتبہ آپ کا تھا کہ تھا عرش زیرِ پا
عیسیٰ کی بس بلندیِ رفعت صلیب تھی

۱۳۰۔ صورت اللہ :

انسانِ کامل سے کنایہ ہے۔

۱۳۱۔ صُوفی :

صوف پوش یعنی پشمینہ پوش۔ پہلے پہل جس نے صوف پہنا وہ آدم تھا۔ سالکوں کی اصطلاح میں اُسے کہتے ہیں، جو دل کی غیر خدا باتوں کو نگاہ میں رکھتا ہے اور وہ جو عبادت اور ریاضت

میں رہے ہے ۔

پشمینہ پوش، تارک الدنیا، درویش وغیرہ ۔ پرہیز گار کو

بھی کہتے ہیں (داغ) ؂

بزمِ دشمن میں رہے آپ تو صوفی بن کر

سرخ آنکھوں میں کہاں ہے اثرِ جامِ شراب

۱۳۲۔ **صومعہ :**

عیسائی اور آتش پرست زاہدوں اور عابدوں کا معبد ۔

(شاد عظیم آبادی) ؂

میں درِ حرم کے شگاف سے تجھے جھانک دوں یہ تمنا ہو بس

یہ نہیں تو پھر درِ صومعہ جو قریب ہو تو وہیں سہی !

۱۳۳۔ **طالب :**

جو لذاتِ نفسانی اور طبعی خواہشوں پر عبور رکھتا ہو اور

روئے حقیقت سے پندارِ خودی کا پردہ ہٹائے اور کثرت سے وحدت

کی طرف رواں ہو تاکہ کامل انسان بن سکے ۔ اس مقام کو مقامِ انسانی

کہتے ہیں کہ طالبوں کی جستجو کی انتہا یہی ہے ۔

طلب کرنے والا، چاہنے والا۔ (تعشق) ؎

میں باغ میں ہوں طالبِ دیدار کسی کا
گل پر ہے نظر، دھیان میں رخسار کسی کا

۱۳۴۔ طرّہ

بمعنی گیسو و گوشۂ جامہ۔ دستار کا گوشہ، پیشانی پر چھوڑی ہوئی بڑی لٹ۔ شاعروں کی اصطلاح میں طرّہ ان بالوں کو کہتے ہیں جو کندھوں تک آئیں اور زیادہ دراز ہونے کی وجہ سے پیچھے باندھے جائیں چنانچہ یہ شعر انہیں معنوں میں کشف اللغات میں آیا ہے ؎

یا غمزہ را بپندے بدہ تا ترک غمازی کند
یا طرّہ را بندے بنہ تا ترک طرازی کند

اور اس فرقہ میں جذبۂ الٰہی سے کنایہ ہے کہ مشتاقوں کو دولت کی طرف کھینچتا ہے۔

(حاشیہ) سوداؔ ؎

طرّہ کے تیرے واسطے صد چوب شانہ دار
قمری گئی ہے کاٹنے شمشاد کی طرف

۱۳۵۔ طریقت:

منازل اربعہ شریعت، طریقت، حقیقت، .... معرفت میں سے ایک منزل ہے۔

اصطلاحاً پیروں کے اُس طریقے کو کہتے ہیں جو اللہ کے سالک سے مختص ہے ؎

اسرار طریقت ایں چنیں است
رہ رو کہ طریق ماہمیں است

تزکیۂ نفس، تصوّف کی ایک اصطلاح۔

میرؔ ؎
یقیں مانو وہ احول ہیں جو ان دو کو جدا سمجھیں
نہیں ہے فرق مُو بھر بھی شریعت اور طریقت میں

۱۳۶۔ طوطی : طوطی

مرشد سے کنایہ ہے۔ (حافظؔ) ؎
الا اے طوطیِ دانائے اسرار
مبادا خالیت شکر ز منقار

توتی کا معرب۔ ایک مشہور پرندے کا نام۔ اس لفظ کے ساتھ کئی محاورے بھی وابستہ ہیں۔ جیسے طوطی کی آواز نقار خانے میں کون سنتا ہے۔ (ذوقؔ) ؎
صدا طوطی کی سنتا کون ہے نقار خانے میں
یا طوطی بولنا

(ذوقؔ) ؎

خوب طوطی بولتا ہے ان دنوں صیاد کا

وغیرہ وغیرہ

۱۳۷۔ عارف :

اُسے کہتے ہیں کہ جس میں بطریقِ حالت وشہود و مشاہدۂ الٰہی علامتیں پیدا ہو جائیں۔ اس صاحبِ نظر کو بھی کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ ذات و صفات و اسماء و افعالِ خود دیکھنے کے لئے بصیرت بخشتا ہے

جاننے والا، واقف کار، خدا شناس جیسے

(شاد عظیم آبادی) ؎

اساتذہ بھی وہ عارف جو اپنے وقت کے تھے
غرض کچھ اور نہ تھی جن کی معرفت کے سوا

۱۳۸۔ عاشق :

کسی کی دوستی پر شیفتہ۔ اصطلاحاً اُسے کہتے ہیں جو زبان کو ذکر میں، دل کو فکر میں، جان کو مشاہدے میں مشغول رکھے اور تڑپتے ہوئے دل، روتی ہوئی آنکھ، زرد چہرے، بکھرے ہوئے بالوں کے ساتھ سر سے پاؤں تک برہنہ ہو کر شب و روز کوئے دوست میں جائے۔

(حاشیہ) سوداؔت

سودا ہوا جو عاشق کیا پاس آبرو کا!
سنتا ہے اے دِوانے جب دل دیا تو پھر کیا

کثیر الاستعمال

۱۳۹۔ عالِم:

بکسر لام وہ ہے جو علم الیقین کی وجہ سے "ذات وصفات واسمائے الٰہی" سے واقف ہو جاتا ہے۔

دانا، پڑھا لکھا، صاحبِ علم جیسے (عزیز)

تھا وہ اک شاعر گراں مایہ!
تھا یہ اک عالمِ علوم و فنون

۱۴۰۔ عَدُو:

ابلیس اور نفسِ امارہ سے کنایہ اور دنیا سے عبارت۔

بدخواہ، دشمن، رقیب کے معنی میں بھی بولتے ہیں جیسے (خفیق)

مری یہ حالت ہے زندگی بھر کی
کبھی عدو کی شکایت کبھی مقدر کی

۱۴۱۔ عرق چیں

ایک مرکب کا نام ہے۔ محبوبِ حقیقی سے کنایہ ہے۔

پسینہ پونچھنے کی چیز۔ ایک قسم کی گول ٹوپی

۱۴۲۔ عشق :

عشقہ سے مشتق۔ ایک قسم کی بیل جسے عشق پیچاں کہتے ہیں۔ اس کے خواص میں ہے کہ جس درخت کو لپٹ جاتی ہے، اُسے خشک کردیتی ہے۔ اسی مناسبت سے ایسی حالت کو عشق کہتے ہیں کہ جسے لگ جاتا ہے اُسے کمزور کردیتا ہے۔ اصطلاح میں جمعیتِ کمالات کو عشق کہتے ہیں، جو ایک ہی ذات میں لاکھی ہوجاتی ہے اور یہ بغیر حق (یعنی معشوق) کو نہیں ہوتی۔ شیخ فخرالدین عراقی نے عاشقی کا اطلاق احدیت پر کیا ہے۔

حاشیہ ؎

عشق کا منصب لکھا جس دم مری تقدیر میں
داغ کی نقدی ملی، صحرا ملا جاگیر میں

۱۴۳۔ عنقا :

کشف اللغات میں بالفتح بمعنی سیمرغ و دنورت اور مرد جس کی گردن لمبی ہوتی ہے۔ سختیٔ زمانہ۔

صاحبِ برہان کہتا ہے کہ عنقا سیمرغ کو کہتے ہیں اور اسے عنقائے مغرب (بضم میم) پڑھتے ہیں اور مُغربیت (دُور جانا اُڑ کر چیز لانا) کے سبب سے چیزوں پر نابود و معدوم کرنے کا عمل کرتے ہیں۔ ہر نہ ملنے والی چیز سے کنایہ کرتے ہیں۔ تصوّف کی اصطلاح میں ہیول (وحشت، خوف) سے کنایہ کرتے ہیں۔ کیوں کہ ہیول کو عنقا کی طرح نہیں دیکھا جاتا۔ ذاتِ پاک، ربّ العباد سے بھی عبارت ہے۔

خاقانی ؎ مرا آئینۂ وحدت نماید صورتِ عنقا
مرا پروانۂ عزلت دہد ملکِ سلیمانی

۱۴۴۔ عید:

مشاہدات کے زمانے کو کہتے ہیں کیوں کہ سالکوں کے لیے یہ زمانہ صفاتِ الٰہی کی تجلّی کی دریافت کا ہوتا ہے۔

خوشی کا دن۔ لغوی معنی ہیں جو بار بار آئے چونکہ یہ ہر سال عود کرتی ہے اس وجہ سے عید کہتے ہیں۔

ع اب چاہے چاند ہو کہ نہ ہو عید ہو گئی

ع ترے گھر میں تو عید، قاتل، ہوئی

۱۴۵۔ غبغب:

گلے کے نیچے کی کھال اور کنایہ ہے حصولِ جذبۂ عشق و محبت سے

حافظ ؎ بنوش جام صبوحی بنالۂ دف وچنگ
ببوس غبغب ساقی بنغمۂ نے دعود

جام صبوحی کو دف وچنگ کے نالے کے ساتھ پی یعنی نالہ کرنے والوں سے ہوشیار رہ اور نئے دعود یعنی مرشد کے بیان غبغب ساقی کو چوم جو جذبۂ عشق کے حصول کے مترادف ہے۔

ٹھوڑی کے نیچے کا لٹکا ہوا گوشت۔ بیشتر چاہِ غبغب مستعمل ہے جیسے (جلال) ؎ چاہِ غبغب سے نکلتے ہی ہوئی قید نصیب

۱۴۶۔ غزل:

اس کلام کو کہتے ہیں جو اسرارِ وجود سے آگاہی بخشتا ہے۔ عارفوں اور مرشدوں کے کلام سے عبارت ہے۔

لغوی معنی عورتوں سے باتیں کرنا۔ اصطلاحاً وہ باتیں جو عشق سے متعلق ہوں۔ شاعری کی مشہور صنف (غالبؔ) ؎

پڑھ تو پڑھیے کہ لوگ کہتے ہیں
آج غالبؔ غزل سرا نہ ہوا

۱۴۷۔ غمزہ:

آنکھ سے اشارہ کرنا۔ عاشقوں کی اصطلاح میں محبوب کا آنکھ کھولنا اور غمزہ برہم ہونا اسے کہتے ہیں جو " حالتِ دلربائی " میں

واقع ہوتا ہے۔ آنکھ کا برہم ہونا کنایہ ہے عدم التفات سے اور آنکھ کھولنا، اشارہ ہے مردمی اور دلنوازی کی طرف۔

ناز، نخرہ، ادا کے معنی میں بھی آتا ہے بلکہ بیشتر انھیں معنوں میں استعمال ہوتا ہے (میرؔ)

نازؔ، ادا، آن، حیا، غمزہ، کرشمہ، شوخی
لے گیا دل کو اڑا کر کوئی ان ساتوں میں

۱۴۸۔ غیبت :

ناپید ہونا، اصطلاحی معنوں میں میر سید حسینی نے کیا خوب کہا ہے

در تنگی باخود اندر کوے او!
گم شو از خود یا بیابی بوے او
تا تو نزدیک خودی زیں حرف دور
غیبتے باید دگر باید حضور

غیر موجودگی، پیٹھ پیچھے بدگوئی کرنا جیسے (فائز دہلوی)

؎ میرے ہی منہ پہ بدی صاف ہے غیبت میری

۱۴۹۔ غیر :

صوفیہ کی اصطلاح جس کا اطلاق غیریت (باطنی) پر کرتے ہیں۔

بیگانہ، الگ، ان میل، حرفِ نفی کی جگہ، دگرگوں جیسے حالت غیر ہوگئی۔ رقیب کے معنی میں بھی آتا ہے۔ جیسے

(امیر) میری ہر بات میں ہیں سو سو عذر
غیر کی بات مان لیتے تھے

۱۵۰۔ فراق:

کسی سے جُدا ہونا۔ اصطلاح میں فراق سے یہ مراد ہے کہ اگر عاشق، معشوق سے ایک لمحے کے لیے جُدا ہوتا ہے تو وہ اس کے لئے سو سال کا فرق ہوگا اور فراق غیبت کو بھی کہتے ہیں یعنی سالک کا اپنے وطنِ اصل جو باطن ہے، سے باہر آنا۔ یعنی عالمِ ظہور میں آجانا فراق اور عالمِ ظہور سے واپس عالمِ بطون میں جانا وصال ہے ؂

فراقِ روئے تو بسیار شد چہ چارہ کنم
مگر لباسِ حیاتی کہ ہست پارہ کنم

حاشیہ (نظیر)

گئی مصیبتِ روزِ فراق سب یکبار
کہ اب قریب شبِ وصلِ یار آپہنچی

کثیر الاستعمال

۱۵۱۔ فرشتہ وش:

صفاتی اسموں میں سے ہے۔ رحم و کرم والا۔ "بندہ پرورش"

فرشتے کی مانند

۱۵۲۔ **فقر:**

درویشی اور محتاجگی۔ سالکوں کی اصطلاح میں فنافی اللہ سے عبارت ہے۔

فقری، بے نیازی جیسے ؂

اے رضا! پاتے ہی خرقہ فقر کا
دل مرید پرنیاں دینے لگا

۱۵۳۔ **فقیر:**

درویش اور محتاج۔ صوفیوں کی اصطلاح میں فقیر اس کو کہتے ہیں جو کسی چیز کا محتاج نہ ہو جیسا کہ کہتے ہیں "الفقیر لا یحتاج الی اللہ تعالیٰ" شیخ حریری نے کہا ہے کہ چونکہ فقیر ہستی کے سمندر میں غوطہ لگاتا ہے، اس لیے اسے کوئی حاجت نہیں رہتی۔

اہلِ فقر، بے نیاز جیسے ؂

ہم پلہ پھر کبھی ہو سکے اہلِ فقر کے
توڑے گئے ہزار دفعہ سیم و زر سے ہم

۱۵۴۔ **فنا:**

"قدم وحدت" کے درمیان تفرقہ و تمیز کے زائل ہونے سے عبارت ہے۔ کیوں کہ جب بصیرتِ روح، ذاتِ الٰہی کے مشاہدے میں جذب ہو جاتی ہے تو نورِ عقل جو کہ فرق ڈالنے والا ہے، نورِ ذاتِ الٰہی کے غلبے میں گم ہو جاتا ہے جیسے کہ تاروں کی روشنی، سورج نکلنے کے بعد۔

نیستی: بقا کی ضد جیسے (دبیر) نو

اس راہ میں بقا ہی بقا ہے فنا نہیں

۱۵۵۔ قاضی:

حرص و آز سے کنایہ ہے

حاکمِ شرع، نکاح پڑھانے والا، طنزاً برا آدمی، اجارہ دار کو بھی کہتے ہیں۔ جیسے (تحسین) نو

قاضی ہیں آپ شہر کے یا کوتوال ہیں

۱۵۶۔ قد: قامت

سالکوں کی اصطلاح میں استادِ حضرتِ الٰہی سے عبارت ہے کہ برزخِ وجوب و امکان ہے۔

جسم کی لمبائی، ڈیل ڈول، قد آنا، قدِ بالا وغیرہ کی طرح استعمال ہوتا ہے۔

قدح :

جام کا مرادف جس کا بیان پہلے آچکا ہے۔

بڑا پیالہ۔ (آتش) ؎

دست مسیح میں ہے قدح آفتاب کا

۱۵۸۔ قرب :

اس لفظ کے معنی میں کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

از خیالِ نفس ظلمانی برآ ے!
تا شوی شایستۂ قربِ خدا ے
قربِ حق دوری بود از بودِ خویش!
ے بے زبانِ خود نیابی سود خویش

نزدیکی قریب ہونا (ہری چند اختر) ؎

جنہیں حاصل ہے تیرا قرب خوش قسمت سہی لیکن
تری حسرت لیے مرجانے والے اور ہوتے ہیں

۱۵۹۔ قطب :

مہتر اور سالار۔ وہ کیلی جس کے ارد گرد چکی گھومتی ہے۔ ایک ستارہ کہ آسمان کا مدار اسی پر ہے۔ صوفیوں کی اصطلاح میں قطب اور غوث ایک ولی کا لقب ہے کہ تمام ولیوں کا سرخیل ہے اور اس کا نام عبداللہ ہے۔

۱۶۰۔ **قفس :**

پنجرہ۔ جسم سے کنایہ ہے اور یہ لغت سینِ مہملہ (س) سے بھی ہے۔ حاشیہ (نظیرؔ) ہے

توڑ کر پرواز کرتے ہم قفس کی تیلیاں
پر نہیں اے ہم صفیرو! اپنے بس کی تیلیاں

۱۶۱۔ **قلاّش**

بالفتح و تشدید۔ ہر دو عالم سے مجرّد۔ بے نام و ننگ۔ سالکوں کی اصطلاح میں قلاّش اسے کہتے ہیں جو طریقت کی کسی تجلّی سے بیزار نہ ہو اور آہستہ آہستہ وحدت کے سمندر کو پی جائے اور ہل من مزید کا نعرہ مارے۔

مفلس، نادار (میرؔ) ؎
بادشاہ و وزیر سب قلاّش

۱۶۲۔ **قلقل :**

فصاحت و بلاغت مقال سے کنایہ ہے

صراحی سے شراب یا پانی نکلنے کی آواز (ناسخؔ) ؎
اُدھر ہے نغمۂ بلبل ادھر شیشے کی قلقل ہے۔

۱۶۳۔ قلندر :

اُسے کہتے ہیں جسے دو عالم سے تجرید و تفرید حاصل ہو۔ قلندر کا مذہب اس ذات سے عبارت ہے' جو نقوش و اشکال سے ماورا ہو کر روح کے مرتبہ تک ترقی کر جائے۔ قلندر' ملامتی اور صوفی میں یہ فرق ہے کہ قلندر کمال درجے کی تجرید و تفرید رکھتا ہے اور عبادت کے لیے کوشاں رہتا ہے۔

ملامتی وہ ہوتا ہے کہ کتم عبادت کے لیے کوشاں ہو یعنی کچھ بھی ظاہر نہ کرے اور صوفی وہ جو مشغول خلق نہ ہو اور اس کے رد و قبول پر دھیان نہ دے ؎

قلندرانِ طریقت بہ نیم جو نخرند
قبائے اطلسِ آنکس کہ از ہنر عاریست

۱۶۴۔ قند :

شیرینیٔ معروف۔ دنیا سے مراد۔ حافظ ؎

از چاشنیٔ قند مگو ہیچ و از شکر
زاں رو کہ مرا بالبِ شیرینِ تو کام است

۱۶۵۔ کافر :

بکسرِ فا' چھپانے والا۔ اصطلاحاً سالکوں کو کافر کہا جاتا ہے کہ

حق تعالیٰ کو تعینات و کثرت سے ڈھانپتا ہے۔ **شیخ مغربی** نے کیا اچھا کہا ہے۔

ﷺ زروے ذات برافگن نقاب اسمارا
نہاں باسم مکن چہرۂ مسمیٰ را

شاعر لفظ کافر کو بفتح فا استعمال کرتے ہیں اور یہ اس لئے ہے کہ اکثر نے کافر کو ظالم، بے رحم اور شوخ کے معنوں میں لیا ہے، اس لیے پہلے معنی میں احتیاط اور تمیز کے طور پر اعراب کو بدل دیا ہے۔

منکر، بے رحم، فتنہ انگیز، کم بخت معشوق جیسے (یگانہ) ﷺ
چتونوں سے ملتا ہے کچھ سراغ باطن کا
چال سے تو کافر کی سادگی برستی ہے

۱۶۶۔ کبکِ خوش خرام:

سالک اور معشوق سے کنایہ ہے:
کبکِ دری (خوش خرام تیتر، چکور) جیسے
(انیس) ع
سارا چلن خرام میں کبک دری کا ہے۔

۱۶۷۔ کدو:

آسمان سے کنایہ ہے اور وجودِ سالک سے عبارت ہے

حافظؔ ؎ ساقی بچند رنگ مے اندر پیالہ ریز
این نقش ہا نگر کہ چہ خوش در کدو بہ بست

یعنی وجودِ سالک میں یا آسمان میں۔

صراحی، کوزۂ شراب۔ اور بھی کئی معنی ہیں مگر یہاں ان کا اطلاق نہیں ہوتا۔

۱۶۸۔ کرشمہ :

(منتخبین نظامی اور شرحِ مخزن میں چشم و ابرو کی حرکت کے معنی میں آیا ہے اور شاہدوں کی تجلیوں سے کنایہ ہے۔

آنکھ کا اشارہ، نرالی بات، چال، نشان، علامت۔ جیسے

حالیؔ ؎ نہ جھگڑا کوئی ملک و دولت کا تھا وہ
کرشمہ اک اُن کی جہالت کا تھا وہ

۱۶۹۔ کعبہ :

گھر۔ "مسجودِ محمدیاں" اور اسے کعبہ اس جہت سے کہتے ہیں کہ اس کا عرض، طول، بلندی سب برابر ہے۔ اسی طرح جسم کو کعب کہتے ہیں اور ظاہر پرستوں کے زہد و ورع سے کنایہ ہے۔ محبوبِ حقیقی سے بھی مراد ہے۔

حاشیہ (انشاء) ؎

موقوف دیر و کعبہ نہیں ہے فسادگی
مخمور ہیں نشے میں جہاں گر پڑے پڑے

جوش ملیح آبادی ؎

کعبہ کے گرد ایک کرن گھومنے لگی
رُوحِ محمدِؐ عربی جھومنے لگی

۱۷۰۔ کُفر:

انکار کرنا اور چھپانا صوفیوں کی اصطلاح میں کفر کثرت کے چھپانے اور اپنی ہستی اور یقین کو ذاتِ الٰہی میں محو کر دینے کو کہتے ہیں۔

حاشیہ (سوداؔ) ؎

نہ غرض کفر سے رکھتے ہیں نہ اسلام سے کام
مدعا ساقی سے اپنے ہیں اور جام سے کام

خُدا کا انکار (غالبؔ) ؎

ایماں مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر

ضد، ہٹ وغیرہ (دیا شنکر نسیمؔ)

کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

۱۷۱۔ کُفرِ زُلف:

دنیا کی لذتوں سے مراد ہے اور اس کی سند "مایۂ جان" کے لفظ

میں آگے آئے گی۔

۱۷۲۔ کمر:

'میاں' کا مرادف ہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔

حاشیہ (سوداؔ) ؎

دیوان میں ساری ہی جگہ چھوڑ دی ہم نے
مضمون یہ باندھا تری نازک کمری کا

(جراتؔ)
صنم سنتے ہیں تیری بھی کمر ہے
کہاں ہے' کس طرف اور کدھر ہے

۱۷۳۔ کنار:

بالکسر شیخ واحدی نسخ سے لکھا ہے۔ بمعنی آغوش۔ برہان میں ہے کہ زبر کے ساتھ ضد کے معنی ہیں اور زیر کے ساتھ آغوش کے۔ بہر حال صوفیوں کی اصطلاح میں کنار اسرار و توحید و دوام "..." کو حاصل کرنے کا نام ہے۔

آغوش جیسے (بحر) ؎
کبھی جو یار سے خالی کنار ہوتا ہے

۱۷۴۔ گرداب:

دمِ واپسیں سے کنایہ ہے۔

شاعری میں یہ لفظ عموماً 'پانی' 'دریا' 'غوطہ' 'کشتی' وغیرہ کے ساتھ آتا ہے

تنہا اس کا استعمال کم ہے۔ بمعنی بھنور۔ جیسے (منیرؔ) ؎

کشتیِ دل ہے بھنور میں عشق کے
دیکھئے کب نکلے اس گرداب سے

۱۷۵۔ گُل :

محبوب سے مراد ہے اور وحدت کے نغمے کِھلے ہوئے باغ سے بھی کنایہ ہے۔ حافظؔ ؎

در حلقۂ گل و مل خوش خواند دوش بلبل
ہات الصبوح ہبوا یا ایہا السکارا

یعنی حلقۂ گل و مل میں یعنی سالکوں کے حلقے میں کچھ نئے تھے اور کچھ پرانے۔ حاشیہ نظیرؔ ؎

چمن میں آج نسیمِ بہار آپہنچی
نویدِ نکہتِ گل بے شمار آپہنچی

گلاب کا پھول یا پھول کے علاوہ اردو میں بھی بمعنی محبوب مستعمل ہے۔ جیسے (منیرؔ) ؎

تھا یہ اس گل کا جامہ زیب بدن
ساری پوشاک میں تھے سو جوبن!

۱۷۶۔ گلدستہ :

مشاہداتِ تجلیاتِ حق وارادت اللہ سے کنایہ ہے۔

حافظؔ
با صبا ہمراہ بفرست از رخت گلدستۂ
بو کہ بوئے بشنوم از باغ و بستانِ شما

حاشیہ (نظیرؔ)

قندیلیں بزم میں دیکھ اس کے سرانگشتوں کی
رشتۂ ربط نے لی راہ کفِ گلدستوں سے (کذا)

پھولوں یا پھولوں کی ٹہنیوں کا گچھا۔ جیسے (امیر مینائی)

؏ آج کیا فکر نے گلدستۂ مضموں باندھا

۱۷۷۔ گلستان :

مشاہداتِ تجلیاتِ حق سے کنایہ ہے اور دنیا سے بھی۔

حاشیہ

جب کیا قصد خزاں نے چمنستاں کی طرف
بلبلیں دیکھ لگیں رونے گلستاں کی طرف

باغ۔ گلزار۔ چمن وغیرہ (جلیلؔ)

پھول داغوں کے سرے دل میں ہیں پھل زخموں کے
آج کل سیر کے قابل ہے گلستاں اپنا

۱۷۸۔ گلِ نوخاستہ:

"عالمِ محبوبیت" میں ایمان والے انسان سے کنایہ ہے۔

گُلِ نوخیز، گُلِ نورستہ۔ بمعنی تازہ کِھلا ہوا پھول (وزیر) ؎

یادگارِ گُلِ نوخیز خزاں میں ہے یہی

(مرزا سودا) ؎

دل جو تھا پہلے گُلِ نورستۂ باغِ مراد
خار خارِ حسرتِ رنج و الم ہوتا رہا

۱۷۹۔ گیسو:

سر کے بال اور کنایہ ہے مشاہدات سے طریق طالب بعالمِ محبوبیت" سے بھی عبارت ہے "مراۃ المعانی"۔

؎ بست گیسو را دِادو ورد و دراز
ہر کرا آنجا شد شہ باخویش باز

لمبے بال جو سر کے دونوں طرف کندھوں پر ہوتے ہیں۔ واحد اور جمع دونوں طرح استعمال میں ہے۔ جیسے

(ذوق) ؎

خط بڑھا کاکل بڑھے زلفیں بڑھیں گیسو بڑھے

(داؔغ) تم سنوارا کرو بیٹھے ہوئے گیسو اپنا

۱۸۰۔ لب :

روحانی فیض کی طرف اشارہ ہے کہ اپنے لطفِ کامل سے عاشق کی دوری اور بھٹک کی حالت سے اٹھا کر آغوش میں لے لیتا ہے، محروم نہیں رکھتا ہے۔ صاحبِ مراۃ المعانی کہتا ہے ؎

لب کہ شیریں جوے از لطفِ خداست
باغِ جاں را ز آب ا دلنشو ونما است

حاشیہ (نظیؔر) ؎

والہ و شیفتہ ہوں تیرے لب و دنداں کا
کب خوش آئے ہیں مرے لعل و گہر آنکھوں میں

ہونٹ۔ پیالہ، گلاس وغیرہ کا کنارا جیسے (موؔمن)

ع تیرے لب سے جو لبِ ساغرِ سرشار لگا

کنارہ۔ جانب وغیرہ

(جوش ملیسانی) ع

لو آگئے عباسِ دلاور لبِ دریا

۱۸۱۔ لبِ جُو :

خلوت سے کنایہ ہے۔ سلمان ساوجی ؎

ناتوانی مدد از کفِ بہارا ے ساقی!
لبِ جوے ولبِ جام ولبِ یارا ے ساقی

حاشیہ (مظہری) ؎

دکھائی اپنی رعنائی جو اس کے قدِ دلجُو نے
پریِ قمری سے کھایا نیشہ ہر سرو لبِ جُو نے

۱۸۲۔ لسان الحق

انسان کامل کو کہتے ہیں یہ متحقق ہوتا ہے مظہریتِ اسم متکلم سے۔

لغوی معنی (بکسر اوّل) زبان، بولی، گفتگو، بات وغیرہ یعنی زبانِ حق۔ (بفتح اوّل و بہ تشدید دوم) بہت بولنے والا چرب زبان، خوش گفتار شیریں زبان۔

۱۸۳۔ لُطف:

کاروکردار میں نرمی و نازکی۔ مہربانی و شفقت کرنا معشوق کا بطریقِ موافقت، عاشق کو پرورش کرنا۔

عنایت۔ مہربانی۔ خوبی۔ عمدگی۔ حظ۔ ذائقہ۔ حلاوت۔ مزہ۔ خوشی۔ فرحت۔ جیسے ؎

جنگل میں مزہ نہ شہر میں لطف
یہ کون پڑا ہے جی کے پیچھے

۱۸۴- لطیفہ:

کوئی نیک چیز، سالکوں کی اصطلاح میں، دقیق باتوں کے معنی و مطالب جو عبارت میں نہیں سماتے ہیں، اشارے سے انہیں سمجھا دینا ہے۔

دریاب لطیفۂ لطیفاں
ایں است لطیفۂ ظریفاں

چٹکلہ۔ دلچسپ بات۔ شگوفہ
(اکبرؔ) ہنس دیتے ہیں سب سن کے یہ اکبرؔ کا لطیفہ

۱۸۵- لطیفۂ انسانیہ:

حکیم، نفسِ ناطقہ کو اور درویش کے دل کو کہتے ہیں۔

۱۸۶- لولی:

مطرب کنایہ ہے محبوبِ مجازی سے، ان مشاہدات و تجلیات سے بھی عبارت ہے جو خدائی مملکت سے باہر ہیں۔
(یعنی غیر الٰہی)

خوب صورت، خوش مزاج، بیسوا، کسبی۔ جیسے

(منیر) ؎ ڈائنیں ہیں لُولیانِ کانپور

لُولی۔ لنگڑی وغیرہ بھی عام استعمال میں ہے۔

۱۸۷ مایۂ جان:

محبوبِ حقیقی سے کنایہ ہے ایک عارف کہتا ہے ؎

حق جانِ جہان است و جہاں جملہ بدن

توحید ہمیں است دگر ہا ہمہ فن!

حافظ۔

الغیاث اے مایۂ جاں الغیاث

کفرِ زلفت بُرد ایماں الغیاث

سرمایۂ زندگی۔ مایۂ حیات جیسے (میر) ؎

کیا کہیئے ترے واسطے اے مایۂ حیات

۱۸۸۔ مجذوب:

کشیدہ در بودہ سالکوں کی اصطلاح میں مجذوبِ مطلق اس کو کہتے ہیں جو عرفانِ حق کا معارف ہو۔

جذب کیا گیا۔ صاحبِ جذبہ۔ فقیر۔ دیوانہ۔ پاگل۔ سودائی جیسے (محشر) ؎

جوش میں مجذوب کو سوجھتا کچھ بھی نہیں
بھرتا ہے ہر سانس میں شدّتِ وحشت کا دم

۱۸۹۔ محبّت

دوست رکھنا، دوستی۔ اصطلاحاً خدا سے مخصوص دوستی جس نے محبت میں اپنی مراد چاہی وہ اپنی ہی مراد کا عاشق ہوا۔ یعنی عاشق محبوب بن گیا ہے

چوں محبّت تیغِ وحدت برکشد
سر نہ بیند ہر کرا انجا سر کشد

۱۹۰۔ محتسب:

گھنی کرنے والا کنایہ ہے عقل سے۔

حاشیہ (سوداؔ)

گردش سے اس نگاہ کی لے محتسب اخبر
دنیا تمام بزمِ خرابات ہو گئی

حساب کتاب والا شرع کے خلاف باتوں کی ممانعت کرنے والا حاکم۔

(ذوقؔ) ع

دروازہ میکدے کا نہ کر بند محتسب

۱۹۱۔ محمل:

کجاوہ ۔ وجودِ سالک سے کنایہ

اونٹ کا ہودہ (مؤنث مذکر دونوں طرح مستعمل ہے)

(بحر) غ ہوا پہ ہے بگولے کی طرح محمل نہ ٹھہرے گا

۱۹۲۔ مدعی:

لذتِ معروف فلسفیوں سے کنایہ ہے ۔ حافظ ؒ

رازِ درونِ پردہ چہ داند فلک خموش

اے مدعی! نزاعِ تو با پردہ دار چیست

مدعی کا کنایہ ابلیس سے بھی کرتے ہیں ۔

دعوے کرنے والا ۔ رقیب ۔ مخالف

(انشا) غ ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

(اسیر) غ مدعی جل کے نہ دیکھے مرے اشعار اسیر

(مومن) غ مدعی ز ہیں اپنی دشمن آسمان اپنا

۱۹۳۔ مرغِ چمن:

بلبل جو عاشقِ گل ہے اور واجب الوجود بھی مراد ہے ۔

بُلبل کے علاوہ دوسرے پرندے بھی ہو سکتے ہیں۔ لغوی معنی تو باغ کے پرندے ہیں۔

(میر) ؎

نہ مرغِ چمن ہی ہے نالاں و زار
مجھے داغِ کہسار سے لالہ زار

یہاں بُلبل کی تخصیص نہیں۔

۱۹۴۔ مرغِ صبح:

مُرغِ سحر، بُلبل، مُرغا، فاختہ، قمری اور اسی قبیل سے۔ سالکِ سحر خیز اور مرشد کو بھی کہتے ہیں۔

مُرغِ سحر (یا صبح) عموماً خروس ہی کو کہتے ہیں یعنی مُرغا ؎

ذبح کر ڈالوں گا گر آپ کی تو بولا شبِ وصل
میں نے سو بار تجھے مرغِ سحر چھوڑ دیا

۱۹۵۔ مژہ:

"بالکسر میم و فتح زائے فارسی" پلکوں کا بال اور عاشقوں کی اصطلاح میں غمزہ و کرشمہ معشوق سے عبارت ہے۔ یہ عاشق کے جگر پر نیزہ اور تیر کی طرح وار کرتے ہیں۔

(خسروؔ) ؎ مژہ ہائے کشر دلا ویزت
کشر ہائے دکان قصاب ات

اور اس بیت میں حقیقی معنی بھی ہو سکتے ہیں۔

صوفیوں کی اصطلاح میں دنیائے دوں سے کنایہ ہے اور یہ ظلمت کے اعتبار سے ہے جو ہر دو میں موجود ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مژہ سالک کے اعمال میں تقصیر کی پردہ پوشی کرتی ہے۔ اس صورت میں یہ موجبِ ہلاکت ہوتی ہے ــــ حافظؔ ؎

مژہ سیاہت ار کرد سوئے خون ما اشارت
ز فریبِ او بیندیش غلطی مکن نگارا

مطلب یہ کہ تیری سیاہ مژہ یعنی دنیا کا نشہ اگر ہمارے خون کی طرف اشارہ کرے۔ اس کے فریب کا خیال کر اور غلطی مت کر۔

حاشیہ (نظیرؔ) ؎

مژگاں کے پرے تُلتے ہیں اے دل ہو پرے رے
ورنہ ابھی جھکتے ہیں کنگھی ہمہ یہ پرے رے
جنوؤں نے کھینچی کمان اور نگہ نے مارا تیر
پلک نے برچھی اُٹھائی جفا نے لُوٹ لیا!
کچھ تو جاتا دل سے خارِ بے قراری کا خلش
کاش وہ نوکِ مژہ دیتی قرار اک پل ہمیں!

۱۹۶۔ مست:

مرشد سے کنایہ ہے اور چشم معشوق سے بھی عبارت ہے۔ دونوں معنوں میں خواجہ حافظ کہتا ہے ؎

مستی بچشم شاہد دلبند ما خوش است
زاں رو کہ سپردہ اند بمستی زمام ما

ہوشیار کی ضد۔ متوالا۔ پُرشہوت۔ سرشار۔ مجذوب۔ خوش، بے پروا۔ فارغ البال۔ مغرور جیسے
(بازغ حیدرآبادی) ؎

وہ حُسن سے ہیں مست تو ہم عشق سے بے خود
پروائے دو عالم نہ اُدھر ہے نہ اِدھر ہے

۱۹۷۔ مستور:

عابد و زاہد سے کنایہ ہے۔ حافظ ؎

مستور و مست ہر دو چو از یک قبیلہ اند
ما دل بعشوہ کہ دہیم اختیار چیست

پوشیدہ (انیس) ع
پُتلی کی طرح نظر سے مستور ہے تو

۱۹۸۔ مسجد:

سجدہ گاہ اور سالکوں کی اصطلاح میں "مظہر تجلی اجمالی" اور آستانہ پیرو مرشد کو کہتے ہیں۔
ظاہر پرستوں کے زہد و ورع سے بھی کنایہ کرتے ہیں۔

جائے سجدہ۔ خانۂ خدا۔ مسلمانوں کی عبادت گاہ۔

(امیر) ؎

جو مے کشی سے ہو فرصت تو دو گھڑی کو چلو
امیر مسجدِ جامع میں آج اِمام نہیں

۱۹۹۔ مُصلّا:

سجادہ کا مرادف جس کا بیان پہلے آچکا ہے

(داغ) ؏

بس ہو چکی نماز مصلّا اٹھائیے

(صبا) ؏

..ہی بوریا ہے مصلّا ہمارا

۲۰۰۔ مطرب:

مرشدِ کامل اور مردِ مکمل سے کنایہ ہے کیونکہ وہ عشق و معرفت کے نغمے ادا کرتا ہے۔ خسروؔ ؎

مطربا سوئے چمن وقتِ گل آہنگ تو گو۔ صوتِ تو، نغمہ تو، بربطِ چنگِ تو گو

گانے والا، قوّال، میراثی وغیرہ جیسے (میر) ؎

آؤ اے مطربانِ سیر آہنگ
ساتھ اپنے لیے رباب و چنگ

۲۰۱۔ معاد:

بازیافت اور بازگشت کی جگہ۔ عالم آخرت۔ اور صوفیوں کی اصطلاح میں معاد" اسماءِ کلّی الٰہی و اسماء کلّی کونی ہے

لوٹ کر جانے کی جگہ۔ عقبیٰ۔ آخرت۔ قیامت جیسے (عاشق) ؎

نہ معاش اچھی ہے اس کی نہ معاد اچھی ہے

۲۰۲۔ مغبچہ:

مغ کا لڑکا جو بیشتر شراب فروش ہوتے ہیں اور خود کو پیغمبر ابراہیم کی امت کہلاتے ہیں۔ یہ مشاہدوں سے عبارت ہے کہ سالک کا دل لے لیتے ہیں۔ سالک سے بھی کنایہ کرتے ہیں۔ حافظ ؎

گر چنیں جلوہ کند مغبچۂ بادہ فروش
خاکروبِ درِ میخانہ کنم مژگاں را

حاشیہ ؎

ہوئی ہے گرم چمن بیچ مغبچوں کی دکاں۔ شراب شیشہ و ساغر کے بار آ پہنچے

(میر) ؎
مُفت آبروئے زاہدِ علّامہ لے گیا
اک مغبچہ آتار سے عمامہ لے گیا

۲۰۳۔ مقام:

بفتح وضم۔ کھڑے ہونا اور کھڑے ہونے کی جگہ۔ سالکوں کی اصطلاح میں مقام 'بالفتح' وہ ہے جو بندے کو آغازِ سلوک میں حاصل ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ عبادت میں مقام، اقامتِ بندہ سے عبارت ہے۔ سالک کی شرط یہ ہے کہ ایک مقام سے دوسرے مقام کی ترقی کرے تاکہ مرتبۂ تلوین سے درگزرے اور مرتبۂ تمکین کو پہنچ جائے۔ تمکین سے مراد بشریت کا زوال ہے۔ اسی کو مرتبۂ فقر وفنا کہتے ہیں۔

ٹھہراؤ، ٹھہرنے کی جگہ، علاقہ، پڑاؤ، درجہ، مرتبہ، پردۂ سرود، موقع محل جیسے (سالک دہلوی) ؎
سالک شکوہ نطق خموشی ہے اس جگہ
چُپ رہ کہ یہ مقام نہیں قیل وقال کا

۲۰۴۔ مکاشفہ:

آشکار کرنا، تصوف کی اصطلاح میں اُسے کہتے ہیں جو ناسوت و ملکوت وجبروت ولاہوت 'کو ظاہر کرے یعنی نفس، دل، روح اور بھید سے واقف ہو جائے۔

۲۰۵۔ ملامتی :

قلندر کی بحث میں آچکا ہے ۔

یہاں فقیروں کا وہ فرقہ مراد ہے جسے فرقۂ ملامتیہ کہتے ہیں ۔
پوشیدہ طور پر عبادت میں مصروف رہنے والا ۔

۲۰۶۔ مے :

مرادفِ بادہ جو بیان ہو چکا ہے ۔
حاشیہ (الٰہی بخش خان معروف) سے

مے کے ملنے سے توہر وجہ نیا ہی توبہ
پیرِمغاں سے یہ خجل ہوں کہ الٰہی توبہ

۲۰۷۔ میان :

وسط، کمر، کنار کی ضد۔ صوفیوں کی اصطلاح میں طالب و مطلوب کے درمیان جو رابطہ اور بھید ہوتا ہے اس سے کنایہ ہے ۔ وہ لمحۂ امر باریک جس کی دریافت خدا کی بخشش کے سبب ہوتی ہے ۔ کمال سے

سرچشمۂ خضر است دہانے کہ تو داری
سررشتۂ غیب است میانے کہ تو داری

وسط کے لئے (عشقِ) عمر
ہوا میانِ خرَساں جو ایک سال گزر

۲۰۸۔ مے خانہ:

کشف اللغات میں جا نگاہِ پیرو مرشد سے کنایہ ہے اور دیوانِ حافظؔ کی شرح میں عالمِ عشق اور مشاہدات و تجلیات سے مُراد ہے، مقامِ محبت سے بھی کنایہ ہے۔ کیونکہ باطن عارفِ کامل ہوتا ہے
جاگی ہے

یاد آیا مے کے درمیخانہ منزل داشتم
جامِ مے دردست و جاناں درمقابل داشتم

شراب خانہ، خرابات (دتاتریہ کیفیؔ) سے
ہوں وہ رند یا صوفی، مست اس کی دُھن میں ہیں
جانے کتنے مے خانے بھر دیے ہیں کوثر میں

۲۰۹۔ میل:

بلفظ ایک طرف جھکاؤ ہو جانا، رغبتِ دل، یا کسی آدمی کی طرف توجہ دینا۔ سالکوں کی اصطلاح میں رجوع کو کہتے ہیں جو اصل و مقصود کے شعور اور آگاہی کی طرف ہوتا ہے نہ کہ "رجوعِ طبعی مثل جمادات و طبائع اربع" جن کو اصل پر اختیار نہیں۔

بمعنی میلان۔ جیسے (آتش) ؎

اس گُل سے عرضِ حال کی رغبت ہی رہ گئی
کانٹے پڑے زباں میں جو میلِ بیاں ہوا

۲۱۰۔ ناز:

"کششِ معشوق از عاشق و ضدِ نیاز یعنی بے نیازی و بے التفاتی و سرکشیٔ معشوق از عاشقِ بے چارہ" اور تصوف کی اصطلاح میں ناز، معشوق کا عاشقِ حزیں و غمگیں کو قوت دینے کا نام ہے۔

جاشیہ (سودا) ؎

کون آتا ہے یہ کس کے پاؤں کی آواز ہے
ہر صدائے پا میں جس کی سو طرح کا ناز ہے

۲۱۱۔ نازنین پسر:

معشوق اور ناصح بھی۔ حافظ ؎

اے نازنین پسر تو چہ مذہب گرفتہ ای
کت خون ما حلال تر از شیر مادر است

لغوی معنی نازنین کا بیٹا۔ نازنین، ناز و ادا سے رجھانے والے کو کہتے ہیں۔ نازک، پیارا جیسے۔

(داغ) ؎ طبعِ نازک کا لطف جب تھا داغ
نازنینوں میں نازنیں ہنستے

۲۱۲۔ نافہ :

نافِ آہو کہ اس میں مشک بند ہوتا ہے اور کنایہ ہے پیغامِ حضرتِ صمدیت سے جو ملک ناسوت پہنچتا ہے۔ حافظ ؎

بوئے نافہ کا خر صبا زاں طرہ بکشاید
ز تابِ جعدِ مشکینش چہ خوں افتاد در دلہا

۲۱۳۔ ناقوس :

راہب اپنی طاعت کی تائید میں بانگِ نماز کی جگہ بجاتے ہیں۔ یہ کنایہ ہے اہلِ معرفت کی گفتگو سے جو وہ ایک دوسرے سے کرتے ہیں۔ وہ جذبہ جو خدا کی خبر دیتا ہے، طاعت و عبادت کی ترغیب دیتا ہے اور خوابِ غفلت سے بیدار کرتا ہے۔

سنگھ (برق) ؎

اذاں دی کعبے میں ناقوس دیر میں پھونکا
کہاں کہاں ترا عاشق تجھے پکار آیا!

۲۱۴۔ ناموس :

صاحب راز، نام جبرئیل، مکر و حیلہ، آوازہ۔ سالکوں کی اصطلاح میں ناموس، خلقت سے دست وجاہ کی توقع رکھنے کو کہتے ہیں۔ طلب شہرت و خود نمائی سے بھی عبارت ہے۔

عموماً آبرو، شرم، عفت، عصمت وغیرہ کے معنی میں رائج ہے۔ حرم اور اہلِ خانہ کے معنوں میں بھی مستعمل ہے۔ جیسے (نقش) ؎

میرے ناموس بھی آخر مرے ساتھ آئے ہیں

۲۱۵۔ نانِ حلال :

اس کا حال آبِ حرام میں آچکا ہے۔

۲۱۶۔ نسیم صبح گاہی :

بادِ صبا کا مرادف۔ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

نسیم سحر (ذکی) ؎

باعث نہ کھلا ندیہ پریشانی کا مجھ پر
کیوں مضطرب الحال نسیمِ سحر آئی

نسیم صبح (اکبر الہ آبادی) ؎

نسیم صبح بوئے گل سے کیا اتراتی پھرتی ہے
ذرا سونگھے شمیمِ زلف خوشبو اس کو کہتے ہیں

۲۱۷۔ **نغمہ:**

آوازِ سرود خواہ گلے سے نکلتی ہو خواہ تانت سے۔ حقائق و معارف کے بیان سے کنایہ ہے۔

۲۱۸۔ **نکہت:**

اس پیغام سے کنایہ ہے جو ملک الموت لاتا ہے۔

پھول کی خوشبو۔ بُوئے خوش (انشاء) ؎

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

۲۱۹۔ **نُور**

روشنی۔ اسمائے الٰہی سے ایک اسم

روشنی، تاب، تجلّی، رونق، رُوپ (مصحفی) ؏

نُور تمغہ ہے غلامانِ شہِ غازی کا

۲۲۰۔ **لَے**

مرشد سے کنایہ ہے۔

کلک: سرکنڈا۔ حقہ کی نگالی، بانسری (وزیر) ؎

شعلۂ آواز سے جھڑتی ہیں جو چنگاریاں
نے بنائی تو نے کیا منقارِ موسیقار کی

۲۲۱۔ وادیٔ ایمن :

کوہِ طور کے دامن میں ایک صحرا۔ صحرائے سلوک سے کنایہ ہے۔

(اصغر گونڈوی) ؎

ہاں وادیٔ ایمن کے معلوم ہیں سب قصے
موسیٰ نے فقط اپنا اک ذوقِ نظر دیکھا

۲۲۲۔ واصل :

کسی چیز سے پیوستہ۔ سالکوں کی اصطلاح میں واصل اس کو کہتے ہیں جو از خود اٹھے اور خدا سے پیوست ہو جائے نیز بے نام و نشان اور بے سر و پا ہو کر بحرِ ہستی میں غوطہ لگائے اور فنا ہو جائے۔

سعدی ؒ آں را کہ خبر شد خبرش باز نیاید

(محمد دین تاثیر) ؎

عشق پہلے ہی قدم پر ہے یقیں سے واصل
انتہا عقل کی یہ ہے کہ گماں تک نہ پہنچے!

۲۲۳۔ واعظ:

نفس سے مراد ہے، جو نصیحت کرتا رہتا ہے۔

وعظ بیان کرنے والا۔ نصیحت کرنے والا

(احسن مارہروی) ؎

ساقی و واعظ میں ضد ہے، بادہ کش چکر میں ہے

۲۲۴۔ وجود:

(بالضم) ہستی، مطلوب پانا۔ تصوّف کی اصطلاح میں وجود اپنی ذات کی حقیقت سے باخبر ہونا ہے۔

جسم، بدن، ہستی، حیات ؎

ایسا دُھندلا مگر ہے میرا وجود!

جیسے میں نے جنم لیا ہی نہیں

۲۲۵۔ وصل:

پیوستہ ہونا بخشش وعطا کرنا اور پیوند کرنا کیوں کہ یہ واسطہ ہے ظہور و بطون کے درمیان۔ یہ سالک کے اوصاف اور خدا کے اوصاف میں قیام سے عبارت ہے۔ اور "نیلِ وصل" اسے کہتے ہیں کہ لمحہ بھر کو خدا کی یاد اور وجدان سے غافل نہ ہو اور بیداری، خواب،

گفتار رفتار میں یوں رہے کہ اگر سو سال اسی حال میں گزریں
تو اُسے ایک لحظہ جانے اور اس سے سیر نہ ہو۔ ؎

گر شبِ دست دہد وصلِ تو از غایت شوق
تا قیامت نہ شود صبح دمیدن ندہم

شرحِ دیوانِ حافظؔ میں لکھا ہے کہ وصل سے مراد دیدارِ خُدا ہے۔

۲۲۶۔ وقت:

تصوّف کی اصطلاح میں ہے کہ درویش وہ ہے کہ اگر دنیا میں ہے تو اس کا وقت دنیا میں ہے اور اگر وہ عقبیٰ میں ہے تو اس کا وقت عقبیٰ میں ہے اور اگر وہ حضور میں ہے تو اس کا وقت حضور میں ہے۔ یعنی وقت وہ ہے کہ سوائے حق کے دل میں کسی اور چیز کا گزر نہیں ہوتا۔

حاشیہ (نظیرؔ) ؎

وقت تو جاتا رہا پر بات باقی رہ گئی
ہے یہ جھوٹی دوستی اب ہم نے جانی آپکی

۲۲۷۔ ہجر:

مرادِف فراق جس کا بیان پہلے آچکا ہے۔

۲۲۸۔ ہُد ہُد:

مشہور پرندہ کہ نامہ بری سے منسوب ہے کیونکہ حضرت سلیمانؑ کا نامہ

بن کر بلقیس کو خط پہنچایا کرتا تھا۔

مرغِ سلیمانی (اسیرؔ) :

ہوئی مشکل ارے جانے میں کیا کیا جب لکھا نامہ
صبا سے نامہ بر ہُد ہُد الغا ہُد ہُد کبوتر سے

۲۲۹۔ ہلالِ محرم :

محرم ابتدائے سال کا مہینا ہے۔ اسی سے ہلالِ محرم بنا۔ یہ کنایہ ہے ابتدائے عشق سے کہ عاشق اپنی عمر کی ابتدا اسی سے شمار کرتے ہیں۔

حافظؔ :
بہ بیں ہلالِ محرم بخواہ ساغرِ راح
کہ ماہ امن و اماں است و سال زہد و صلاح

۲۳۰۔ ہوا :

بمعنی حرص۔ عشق سے کنایہ ہے۔

قوامی مطرزی :

بر نفسِ من گماشت ہوائے رُخت ہوان
در جانِ من نگند شرابِ لبت شرار

جیسے (اختر شاداود ھ) : اب دل میں ہوائے دوستاں ہے
گلگشت کا شوق میری جاں ہے

یار: محبوب، مرشد اور مصاحب سے کنایہ ہے۔

مددگار، سہارا کے معنی میں بھی آتا ہے۔

جیسے (جلال) ؎

ہم ہیں شبِ فرقتِ صنم ہے
اللہ ہے یار بے کسی کا